بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ضَوءُ السِّرَاج فی تحقیقِ المِعرَاج

چراغ کی روشنی

تالیف

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر مدظلہ

مکتبہ صفدریہ

نزد مدرسہ نصرۃ العلوم

گھنٹہ گھر گوجرانوالہ

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا (الآیۃ)

(یعنی) اس کی پاک ذات ہے جو لے گیا اپنے بندہ کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک ،

سبق ملا ہے یہ معراجِ مصطفےٰ سے مجھے
کہ عالم بشریت کی زد میں ہے گردوں (اقبالؒ)

ضَوْءُ السِّرَاجِ فِی تَحْقِیْقِ الْمِعْرَاجِ

چراغ کی روشنی

جس میں قرآن کریم، صحیح احادیث، اجماع حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور جمہور سلف وخلف اور تحریرات مرزا صاحب سے یہ ثابت کیا گیا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو حالت بیداری میں جسم عنصری کے ساتھ معراج کرائی گئی، نیز معجزات کی کچھ تحقیق بھی عرض کردی گئی ہے اور حضرت عائشہؓ، حضرت امیر معاویہؓ، حضرت حسن بصریؒ، شیخ محی الدین ابن عربیؒ اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی طرف جو معراج جسمانی کا انکار منسوب کیا جاتا ہے۔ اس کے دندان شکن جوابات بھی عرض کردیے گئے ہیں۔ الغرض مسئلہ معراج پر جو بھی اہم نقلی اور عقلی اعتراضات ہو سکتے تھے سب کا اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے قلع قمع کیا گیا ہے۔

مؤلفہ ابو الزاہد محمد سرفراز

مکتبہ سید احمد شہیدؒ
10۔ الکریم مارکیٹ [illegible] لاہور
[illegible]0272-7228[illegible]

طبع ہشتم .... جنوری ۲۰۰۶ء

نام کتاب .... چراغ کی روشنی

تالیف .... شیخ الحدیث حضرت مولانا ابوالزاہد محمد سرفراز خان صفدر

مطبع .... مکی مدنی پرنٹرز لاہور

تعداد .... ایک ہزار

قیمت .... ستائیس روپے (27)

ناشر .... مکتبہ صفدریہ نزد مدرسہ نصرۃ العلوم گھنٹہ گھر گوجرانوالہ

﴿ملنے کے پتے﴾

☆ ادارہ نشر واشاعت مدرسہ نصرت العلوم گوجرانوالہ ☆ مکتبہ امدادیہ ملتان

☆ مکتبہ حلیمیہ جامعہ بنوریہ سائٹ کراچی ☆ مکتبہ حقانیہ ملتان

☆ مکتبہ رحمانیہ اردو بازار ☆ مکتبہ مجیدیہ ملتان

☆ مکتبہ سید احمد شہید اردو بازار لاہور ☆ مکتبہ قاسمیہ اردو بازار لاہور

☆ کتب خانہ رشیدیہ راجہ بازار راولپنڈی ☆ اسلامی کتب خانہ اڈا گامی ایبٹ آباد

☆ مکتبہ العارفی فیصل آباد ☆ مکتبہ فریدیہ ای سیون اسلام آباد

☆ مکتبہ رشیدیہ حسن مارکیٹ نیو روڈ مینگورہ ☆ دارالکتاب عزیز مارکیٹ اردو بازار لاہور

☆ مکتبہ نعمانیہ کبیر مارکیٹ لکی مروت ☆ مدینہ کتاب گھر اردو بازار گوجرانوالہ

☆ مکتبہ قاسمیہ جمشید روڈ نزد جامع مسجد بنوری ٹاؤن کراچی

☆ مکتبہ فاروقیہ حنفیہ عقب فائر بریگیڈ اردو بازار گوجرانوالہ

☆ کتاب گھر شاہ جی مارکیٹ گکھڑ ☆ مکتبہ سید احمد شہید اکوڑہ خٹک

فہرست مضامین

دیباچہ طبع سوم

عرصہ ہوا کہ بعض طلبہ کرام کی استدعاء پر مسئلہ معراج جسمانی پر راقم الحروف نے ایک مختصر سا رسالہ لکھا تھا۔ جس میں منکرین معراج جسمانی کے عقلی اور نقلی اعتراضات اور شکوک کا جائزہ لیا گیا تھا اور معراج جسمانی کے اثبات کے لیے اپنی محدود بساط کے مطابق اہلِ اسلام کے دلائل اور براہین پیش کیے تھے۔ الحمد للہ کہ اس مختصر سے رسالہ کو عوام کے علاوہ اربابِ علم نے بھی بہت پسند فرمایا۔ اب بعض مخلص دوستوں کے تقاضا کے تحت اس کو نظرِ ثانی اور بعض اضافات اور ترامیم کے ساتھ سہ بارہ شائع کیا جا رہا ہے تاکہ اس پُرفتن دور میں جس میں ہر مادر پدر آزاد آدمی اپنی ناقص اور غلط رائے کو صحیح اور حرفِ آخر سمجھ کر اس پر گامزن ہے حق کی جستجو کرنے والوں کے لیے یہ کتابچہ راہنمائی کا کام دے اور حق پرستوں کے لیے یہ مشعلِ راہ بنے، اور زائغین اور گمراہوں پر اتمامِ حجت ہو۔ اللہ تعالیٰ اس کو حقیر پُرتقصیر کے لیے زادِ آخرت بنائے۔ اور مسلمانوں کو اس سے فائدہ بخشے، اور معترضین کے لیے اس کو نافع بنائے۔ آمین ثم آمین۔

۲۹ ربیع الاوّل سنہ ۱۳۹۰ھ
۴ جون سنہ ۱۹۷۰ء

احقر ابوالزاھد محمد سرفراز خطیب جامع گکھڑ
مدرس مدرسہ نصرۃ العلوم، گوجرانوالہ

مقدمہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ۔

اَمَّا بَعْدُ!

اُس پُر فتن اور پُر آشوب دور میں خدا تعالےٰ اور اُس کے برگزیدہ رسولوں، مذہب اسلام اور دینِ قویم عقائدِ حقہ اور اعمال صالحہ سے جو استہزار اور تمسخر کیا جاتا ہے اس کی نظیر سابق زمانہ میں چراغ لے کر ڈھونڈنے سے بھی ہرگز دستیاب نہیں ہوسکتی۔ خدا تعالیٰ اور اس کے سچے رسول شریعتِ حقہ اور روحانیت کے خلاف ایسا مکروہ پروپگینڈا کیا جا رہا ہے، جس کی مثال قرونِ سابقہ میں ناپید ہے، اور یہ پروپگینڈا ہی اس دور میں ایک ایسی خطرناک اور خاموش آگ ہے جو اندر ہی اندر سلگ کر تمام متاعِ دین و دانش اور اثاثہ مذہب و روحانیت کو آن کی آن میں راکھ کا ڈھیر بنا دیتی ہے، اور سطح سے اوپر اس کے سموم دھوئیں کا مدھم سا نشان بھی بسا اوقات محسوس نہیں کیا جا سکتا۔ یہ وہ دھیمی پُرسکون منظم مگر مکروہ اور قبیح سازش ہے جس کی بدولت آہستہ آہستہ تدریجاً تدریجاً بلا روک ٹوک اور غیر محسوس طریقہ پر اشیاء کے حسن و قبح اور ان کی خوبی اور خرابی کی حقیقت اور نوعیت اور دیکھنے والوں کے نگاہوں کے زاویئے یک لخت اور یکسر بدل جاتے ہیں اور اس کے بعد ایک ملحد اور زندیق ایک منافق اور دھریہ جس قدر چاہتا ہے جس طرح چاہتا ہے جب چاہتا ہے اور جس سے جو چاہتا ہے تسلیم کرا لیتا ہے۔ اور برائے نام عقلی اور نقلی دلائل کی آڑ لے کر عقائد و اعمال، مذاہب و مسالک کو بزعمِ خود خس و خاشاک کی طرح بہا کر ان کو ناپید یا اپنی

نارسا عقل کے تابع کرنے کی بے جا اور ناکام کوشش اور کاوش کرتا ہے، مگر رضائے الٰہی اور قدرتِ خداوندی کے سامنے اس کی ناپاک سعی خود ملیامیٹ ہو کر رہ جاتی ہے، کیونکہ ارشادِ خداوندی یہ ہے۔ وَاللّٰہُ مُتِمُّ نُوْرِہٖ وَلَوْ کَرِہَ الْکٰفِرُوْنَ۔ غور اور فکر کرنے والی قومیں بلکہ اشخاص و افراد بھی جب کسی غلطی میں مبتلا ہو کر غلط فہمی کا شکار ہوتے ہیں تو ان کی غلطی کے اصولاً صرف دو ہی سبب قرار دیئے جا سکتے ہیں اور عقلاً ہیں بھی صرف یہی دو سبب۔ اوّل یہ کہ کسی عقیدہ اور عمل کے سمجھنے میں غلطی اور خطا واقعی ہو جاتی ہے، اور اس غلط اور باطل نظریہ کو صحیح اور حق سمجھ کر دیانتہً ثلجِ صدر کے ساتھ اپنا لیا جاتا ہے، اور اس کو صحیح اور درست ثابت کرنے کے لیے عقلی اور نقلی دلائل اور براہین کی تلاش و جستجو کی جاتی ہے اور تسکینِ خاطر یا مغالطہ آفرینی کے لیے برائے نام کچھ دلائل پیش کیے جاتے اور کچھ کشید کیے جاتے ہیں، کیونکہ عادتاً عقلِ انسانی کسی دعوے پر بدُون دلیل و برہان کے مطمئن نہیں ہوتی، اور دوسرا سبب یہ ہے کہ کسی خاص غرض اور مصلحت کے پیشِ نظر کسی صحیح چیز کو غلط رنگ میں ڈھالنے کی بے حد جد و جہد کی جاتی ہے اور اس کو راجح کرنے کے لیے زمین و آسمان کے قلابے ملائے جاتے ہیں بظاہر اس دوسری شق کے پیشِ نظر مرزا غلام احمد صاحب قادیانی آنجہانی نے نصوصِ قطعیہ، احادیثِ متواترہ اور امتِ مسلمہ کے اس اتفاقی اور اجماعی عقیدہ کا انکار کیا ہے کہ امام الانبیاء سیّد الرسل خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلّم کو اپنے جسمِ عنصری کے ساتھ حالتِ بیداری میں معراج کرائی گئی ہو۔ (اور یہی عقیدہ مرزائیوں کی لاہوری پارٹی کے سربراہ مولوی محمد علی صاحب اور ان کے پیروکاروں اور زمانۂ حال کے منکرینِ حدیث کے پیشرو جناب چودھری غلام احمد صاحب پرویز کا ہے، جیسا کہ بیان ہوگا انشاء اللہ العزیز) اور معراجِ جسمانی کا انکار مرزا صاحب نے صرف اس لیے کیا ہے کہ اس نظریہ کو صحیح قرار دینے کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیات اور رفع الی السماء اور

پھر آسمان سے نزول خود بخود ثابت ہو جاتا ہے اور اگر حضرت عیسٰی علیہ السلام کی حیات اور رفع الی السماء اور پھر نزول ثابت ہو جائے تو مرزا صاحب کا دعوٰی مسیحیت خطرہ میں پڑ جاتا ہے۔ کیونکہ ان کے مسیح موعود ہونے کا باطل دعوٰی ہی ان کے نزدیک اس امر پر مبنی ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام وفات پا چکے ہیں اور وہ احادیث جو ان کی آمد اور نزول کا ثبوت مہیا کرتی ہیں، ان سے ان کے زعم فاسد کے رُو سے مثیلِ مسیح مراد ہے جو بقول مرزا صاحب وہ خود مرزا صاحب ہی ہیں (العیاذ باللہ) یہی وجہ ہے کہ جب تک مرزا صاحب نے مسیح موعود ہونے کا دعوٰی نہیں کیا تھا، تو وہ حیاتِ حضرت عیسٰی علیہ السلام اور ان کے رفع الی السماء اور پھر نزول کے قائل تھے اور اسی طرح وہ صریح الفاظ میں معراجِ جسمانی کو بھی تسلیم کرتے تھے اگر وہ مسیح موعود ہونے کا دعوٰی نہ کرتے تو ان کو حضرت عیسٰی علیہ السلام کے زندہ آسمان پر تشریف لے جانے کے انکار کی ضرورت ہی محسوس نہ ہوتی اور پھر وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معراج کا انکار اور اس کی بے جا تاویل بھی نہ کرتے، اور نہ اُن کو اس کی ضرورت ہی پیش آتی، لیکن چونکہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کا جسم عنصری کے ساتھ آسمان پر تشریف لے جانا اور قربِ قیامت نازل ہونا (جیسا کہ ظاہر قرآن اور متواتر درجہ کی حدیثوں سے ثابت ہے) مرزا صاحب کے دعوٰی کے ابطال پر کافی اثر انداز ثابت ہوتا تھا۔ اس لیے انہوں نے حضرت عیسٰی علیہ السلام کی حیات ہی سے انکار کر دیا، اور پھر جب کہ آنحضرتؐ کے جسم عنصری کے ساتھ آسمان پر تشریف لے جانے سے حضرت عیسٰی علیہ السلام کے رفع پر قوی استدلال اور امکان ثابت ہوتا ہے۔ تو اس لیے مرزا صاحب نے راستے کے اس روڑے کو بھی ہٹا دیا، کہ نہ رہے بانس اور نہ بجے بانسری۔ (العیاذ باللہ)

۱؎ حضرت عیسٰی علیہ السلام کی حیات اور رفع الی السماء اور نزول پر ہم ایک مستقل رسالہ ترتیب دے رہے ہیں انشاء اللہ العزیز پوری تشریح تو وہاں ہی ہوگی مگر تین حوالے یہاں عرض کئے دیتے تاکہ مسئلہ قدرے مبرہن ہو جائے۔

علامہ ابو حیان الاندلسیؒ المتوفی ۷۴۵ھ امام ابن عطیہؒ کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں کہ :- باقی حاشیہ صفحہ ۹

مرزا صاحب وغیرہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی معراج جسمانی کے انکار پر کبھی تو نقلی دلائل کی آڑ لی ہے۔ کہ لفظ رؤیا سے خواب مراد ہے اور حضرت عائشہؓ حضرت امیر معاویہؓ امام حسن بصریؒ، شیخ ابن عربیؒ اور شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ وغیرہ کے نزدیک بھی معراج جسمانی نہ تھی بلکہ ایک روحانی اور کشفی امر تھا۔ اور کبھی نئے اور پرانے فلسفہ کی آڑ لے کر عقلی دلائل پیش کرنے کی ناکام سعی کی ہے۔ اور کبھی روایات کے جزوی اختلافات سے اپنی گاڑی چلانے کی بیجا کوشش کی ہے، اور کبھی طشت طلائی وغیرہ کی تلاش میں سرگرداں رہے ہیں۔ الغرض مرزا صاحب کی ان کج بحثیوں اور موشگافیوں کو دیکھ کر تعجب سے یہ کہنا پڑتا ہے کہ ع

الہٰی کیوں نہیں آتی قیامت ماجرا کیا ہے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۸

واجمعت الامۃ علیٰ ما تضمنہ الحدیث المتواتر من انّ عیسیٰ علیہ السلام فی السماء حی وانّہ ینزل فی آخر الزمان (تفسیر بحر محیط ج ۲ ص ۴۷۳)

امت کا متواتر احادیث کے پیش نظر اس بات پر اتفاق ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام آسمان پر زندہ ہیں اور قیامت کے قریب نازل ہوں گے۔

اور علامہ محمد طاہر الحنفیؒ (المتوفی ۹۸۶ھ) لکھتے ہیں کہ:۔

ویجیٔ فی آخر الزمان لتواتر خبر النزول (مجمع البحار ج ۱ ص ۲۸۶)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام قیامت کے قریب آئیں گے کیونکہ ان کے نزول کی حدیث متواتر ہے۔

اور امام سیوطیؒ (المتوفی ۹۱۱ھ) لکھتے ہیں کہ:۔

اما نفی نزول عیسیٰ علیہ السلام او نفی النبوۃ عنہ وکلاھما کفر (الحاوی للفتاوی ج ۲ ص ۱۶۶)

بہرحال حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول اور ان کی نبوّت کی نفی دونوں کفر ہیں۔

انشاء اللہ العزیز ہم اس کتابچہ میں ان تمام پیش کردہ اصولی نقلی اور عقلی دلائل کو بے نقاب کرکے عامۃ المسلمین کو آگاہ کریں گے کہ مرزا صاحب اور ان کے امتیوں کے دوسرے مسائل کی طرح مسئلہ معراج جسمانی کے انکار پر جو دلائل پیش ہوتے ہیں وہ پرکاہ کی حیثیت بھی نہیں رکھتے، ان کو بجائے دلائل کے تحریف سے یاد کرنا زیادہ مناسب اور موزوں ہے۔ بعض پڑھے لکھے حضرات کو یہ غلط فہمی ہوئی ہے۔ کہ اگر مرزا صاحب اپنے جملہ دعاوی میں سچے نہیں تھے، تو عقلاء کا ایک کافی طبقہ ان کا ساتھ کیوں دیتا ہے؟ لیکن یہ ایک ایسا کھلا ہوا مغالطہ ہے، کہ اس کے رد کرنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوتی۔ اللہ تعالٰے نے بہت سی اقوام کا ذکر فرما کر قوم عاد اور قوم ثمود کا خاص طور پر نام لے کر ارشاد فرمایا ہے کہ :۔

وکانوا مستبصرین (پ ۲۰ عنکبوت رکوع ۴) وہ ہوشیار اور سمجھ دار تھے۔

تو کیا کسی عقلمند کو یہ کہنا جائز ہے۔ کہ اگر وہ قومیں حضرت ہود اور حضرت صالح علیہما السلام کے مقابلہ میں سچی نہ ہوتیں تو لوگ ان کا ساتھ کیوں دیتے؟ مگر حاشا وکلا کہ کسی مسلمان کے دل میں ان کی سچائی کا وہم بھی گذرتا ہو و علیٰ ہذا القیاس، فرعون، ہامان اور قارون وغیرہ جیسے بے شمار سمجھ دار اور حکمران پہلے بھی گذر چکے ہیں، اور آج بھی دنیا میں موجود ہیں جو سرے سے اسلام ہی کو سچا نہیں سمجھتے مگر چاند تک پہنچ گئے ہیں، تو کیا ان کا مذہب اسلام کے مقابلہ میں سچا ثابت ہو سکتا ہے؟ یا وہ سچے کہلا سکتے ہیں۔ ان کا ساتھ دینا تو الگ بات ہے، ہمارے پاس قرآن کریم موجود ہے، اس سے ہمیں تو یہ بھی معلوم ہے۔ کہ حضرت ہارون اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کی موجودگی اور ان کی زندگی میں ان کے ظاہری عقیدت مندوں نے گوسالہ کی ایک ہی آواز پر اپنا سب کچھ قربان کر دیا تھا۔ بقول شخصے ؎

عمرہا دید ند قوم دوں ز موسیٰ معجزات
آں ہمہ شد گاؤ خوردہ از بانگ یک گوسالہ

لہذا مرزا صاحب کی جماعت میں چند وُکلاء کے داخل ہو جانے سے اِن کے مذہب کی سچائی لازم نہیں آتی، سچائی تو دلائل اور براہین کے رُو سے پیش کی جا سکتی ہے، اور مرزا صاحب اور ان کی امت سے تا قیامت کسی ایک مسئلہ پر بھی کوئی دلیل قائم نہیں ہو سکتی۔ وَاَنّٰی لَهُمُ التَّنَاوُشُ مِنْ مَّكَانٍۭ بَعِيْدٍ لیکن اس کو کیا کیا جائے کہ وہ فوراً یہ پڑھ سنائیں گے ؎

یہ سب سوچ کر دل لگایا ہے ناصح
نئی بات کیا آپ فرما رہے ہیں

ہم اس مختصر سی کتاب میں حقیقت معجزہ، خارق عادت کا وقوع، معراج جسمانی کے دلائل اور مرزا صاحب کی تحریرات پیش کر کے یہ ثابت کریں گے کہ جمہور اہل اسلام کا اتفاقی عقیدہ یہی ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جسم عنصری کے ساتھ معراج کرائی گئی۔ اور مرزا صاحب نے غلطی سے جن کو اپنا معجزہ سمجھ رکھا ہے۔ ان کے اقوال پیش کر کے اس مسئلہ کی حقیقت واضح کر دی جائے گی اور انہوں نے نئے اور پرانے فلسفہ کی جو آڑ لی ہے ہم عرض کریں گے، کہ وہ فلسفہ حیات حضرت مسیح علیہ السلام اور مسئلہ معراج جسمانی تک ہی کیوں محدود ہے۔ اور دیگر خوارق عادات اس کی زد سے کیوں مستثنیٰ ہیں؟ انشاء اللہ ہم مرزا صاحب کے معراج جسمانی پر نقلی اعتراضات کے جوابات تو اس کتابچہ کے آخر میں عرض کریں گے، صرف عقلی سوال کا جواب یہاں عرض کیا جاتا ہے، مرزا صاحب لکھتے ہیں:۔

"کہ نیا اور پرانا فلسفہ بالاتفاق اس بات کو محال ثابت کرتا ہے کہ کوئی انسان اپنے جسم خاکی کے ساتھ کرۂ زمہریر تک بھی پہنچ سکے۔ (ازالہ اوہام ص ۹۱۳)

سائنس کی موجودہ ترقی اور عروج کے زمانہ میں جب کہ منوں کے حساب سے وزنی سیارے اور راکٹ فضاء میں گھومتے اور چاند تک پہنچ سکتے ہیں، اور اب انسانوں کے جانے کے منصوبے تیار ہو رہے ہیں بلکہ امریکہ دو مرتبہ کامیابی سے انسانوں کو چاند پر اُتار چکا ہے۔ تو مرزا صاحب کی اس فرسودہ دلیل کو کون سنتا ہے؟ مگر اس کا جواب مرزا صاحب خود دیتے ہیں:۔

کہ "اگر قرآن اور حدیث کے مقابل پر ایک جہان عقلی دلائل کا دیکھو تو ہرگز اس کو قبول نہ کرو۔ اور یقیناً سمجھو کہ عقل نے لغزش کھائی ہے" (ملفوظات احمدیہ صـــ۴۵)

اور دوسری جگہ لکھتے ہیں:۔

"میں ان لوگوں کو جو فلسفی کہلاتے ہیں پکے کافر سمجھتا ہوں اور چھپے ہوئے دہریہ خیال کرتا ہوں" (چشمۂ معرفت صـــ۲۶۹)

نہ معلوم مرزا صاحب کو معراج جسمانی کے انکار پر قرآن اور حدیث کے مقابلہ میں کفر (یعنی نیا اور پرانا فلسفہ) پیش کرنے کی کیوں ضرورت محسوس ہوئی؟ اور نہ معلوم انہوں نے خدا کی قدرت کی حدبست کیوں کی اور خدا کی قدرتوں کو عقل کے پیمانے سے کیوں ناپنے کی کوشش کی؟ مرزا صاحب کی تحریرات آگے آئیں گی۔ نیز اس نئے اور پرانے فلسفہ نے بکرے اور مرد کا دودھ کیوں نہیں روکا۔ اور عورت کی کمر تک لمبی ڈاڑھی وغیرہ کو (جن کا اقرار مرزا صاحب کو ہے) کیوں نہیں روکا، اور اس کو کیوں منع نہیں کیا؟ آخر بات کیا ہے؟ ؏

کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

ابوالزاہد محمد سرفراز خان صفدر
خطیب جامع گکھڑ

پہلا باب

اس باب میں آپ کے سامنے یہ بات بیان کی جائے گی۔ کہ جناب سیّد الرسل امام الانبیاءؑ خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جسم اطہر کے ساتھ جو معراج کرائی گئی تھی، کیا اس میں آپ کا ازخود کچھ دخل تھا؟ یا اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے آپ کو یہ سیر کرائی تھی؟ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ آسمان پر آپ کا تشریف لے جانا ازخود تھا۔ اور اس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کا کچھ دخل نہ تھا۔ تو اس شق پر نئے اور پرانے فلسفہ کا اعتراض ہو سکتا ہے۔ کہ خود بخود انسان اور بشر بلا کسی ظاہری سبب کے جسم عنصری کے ساتھ آسمان تک کیسے پہنچ گیا؟ حالانکہ راستہ میں کرۂ زمہریر اور کرۂ نار وغیرہ واقع ہیں پھر اس سرعت رفتاری سے کہ ایک ہی رات میں تمام آسمانوں اور جنّت وغیرہ کی اور جہاں تک خدا تعالےٰ کو منظور تھا سیر کر کے واپس تشریف لے آئے اور اگر دلائل کی روشنی میں یہ ثابت ہو جائے کہ معراج جسمانی وغیرہ دیگر معجزات جو پیغمبروں کے ہاتھ

پر صادر ہوئے ہیں۔ ان میں ان کا کچھ بھی دخل نہیں تھا، بلکہ معجزہ اور کرامت اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے، جو اپنے مخصوص اور بزرگ بندوں کے ہاتھ پر وہ ظاہر کر دیتا ہے۔ تو قدرت خداوندی کے انکار کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ اور نہ اس میں کسی مسلمان کو تامل ہو سکتا ہے، اور نہ ہونا چاہیئے۔ اب ملاحظہ فرمایئے کہ معجزہ میں نبی کا دخل نہیں ہوتا۔ بلکہ اس میں تاثیر پیدا کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ اُس کے حکم کے بغیر کسی درخت کا ایک پتہ کسی تودۂ ریت کا ایک ذرّہ اور کسی بادل کا ایک ٹکڑا بھی اپنی جگہ سے ہل نہیں سکتا وہ ایک لمحہ میں اس جہاں جیسے سینکڑوں ہی نہیں بلکہ ہزاروں لاکھوں جہاں پیدا کر سکتا ہے اور ایک آن میں انہیں صفحۂ ہستی سے نیست و نابود کر سکتا ہے اس کے آگے کوئی چیز اَن ہونی نہیں اور نہ بڑی سے بڑی کوئی ذات بھی اس کے سامنے دم مار سکتی ہے۔ اس کی قدرت کے مظاہر ہر ایک چیز میں نظر آتے اور طالب حق کو نظر آسکتے ہیں۔ اگرچہ مادی دُنیا اور الحاد پرستوں نے اُس خالق حقیقی کی صفات پر دبیز پردے ڈال رکھے ہیں اور اُس کے وجود ہی کے مُنکر ہیں (معاذ اللہ تعالیٰ) مگر حق کی جستجو کرنے والوں کے لیے ہدایت کی کرنیں موجود ہیں جو بزبانِ حال یوں گویا ہیں اے طالب حق! ؎

اندھیری شب ہے رستہ گم ہے لیکن — نظر آتے ہیں منزل کے اجالے

کاش کہ اُس آقائے حقیقی سے محبت و لگاؤ ہر ایک کو نصیب ہو اور اِس عارضی اور فانی زندگی میں جس کی حقیقت اس کے سوا اور کچھ بھی نہیں کہ ؎

سیر گلشن بھی نہ کرنے پائے کہ آ پہنچی اجل — ہائے کتنی مختصر تھی یہ بہارِ زندگی

اُسکو راضی کرکے آدمی دُنیا سے رخصت ہو اور یہ یقین کرلے کہ ہر چیز میں اثر پیدا کرنیوالا صرف

خدا تعالیٰ ہی ہوتا ہے۔ دیکھئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کوہ طور پر جب نبوت اور رسالت عطا ہوئی۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کو تصدیق رسالت کے لیے چند معجزات بھی ساتھ دیئے۔ ایک معجزہ ان کا عصا بھی تھا۔ چنانچہ اسی مقام پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ

وَاَنْ اَلْقِ عَصَاکَ ط فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ کَاَنَّهَا جَآنٌّ وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ يُعَقِّبْ ط (پ۲۰، قصص، رکوع ۴) — اور یہ کہ ڈال دے اپنی لاٹھی۔ پھر جب دیکھا اس کو پھن ہلاتے جیسا پتلا سانپ الٹا پھرا منہ موڑ کر اور نہ دیکھا پیچھے پھر کر۔

یعنی پہلے لاٹھی پتلا سانپ بن جاتی اور بڑھتے بڑھتے اژدھا کی شکل اختیار کر لیتی تھی جیسا کہ دوسرے مقام پر ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ، بڑا اژدھا آیا ہے۔ یا طور پر پتلا سانپ بنی تھی اور فرعون کے دربار میں اژدھا بنی تھی، یا یہ مطلب ہو کہ حجم اور جسم کے لحاظ سے تو وہ اژدھا بن جاتی تھی لیکن سرعت رفتاری میں وہ پتلے سانپ کی مانند تھی کَاَنَّهَا جَآنٌّ کچھ بھی ہو

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اگر معجزہ نبی کا اپنا فعل ہوتا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کبھی خوف کے مارے نہ بھاگتے، کیونکہ اگر خود انہوں نے لاٹھی کا سانپ بنایا ہوتا۔ تو اپنے فعل کی تاثیر اور اس کے نتیجے سے خوب واقف ہوتے لیکن وہ تو اس کو سانپ سمجھ کر بھاگ نکلے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ :۔

قَالَ خُذْهَا وَلَا تَخَفْ سَنُعِيْدُهَا سِيْرَتَهَا الْاُوْلٰى ط (پ۱۶، طٰہٰ، رکوع ۱) — پکڑ لے اس کو اور مت ڈر ہم ابھی پھیر دیں گے اس کو پہلی حالت پر۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کام صرف یہی تھا کہ اس اژدھا کو اپنے ہاتھ سے پکڑ لیتے۔ اس کو پہلی حالت پر لاٹھی بنا دینا صرف خدا تعالیٰ کا کام تھا۔ اور اس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کچھ دخل نہ تھا۔

ایک مرتبہ مشرکین مکہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی مخصوص معجزہ کا مطالبہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے ذریعہ سے ان کو جواب ارشاد فرمایا، کہ آپ ان کو یہ کہہ دیں۔

اِنَّمَا الْاٰیٰتُ عِنْدَ اللّٰہِ ط (پ۔ انعام، رکوع ۱۴) کہ نشانیاں (اور معجزات) تو اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہیں۔

اس سے بھی معلوم ہوا۔ کہ معجزہ پیغمبر کے بس میں نہیں ہوتا۔ بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے۔ جب اور جس وقت اور جس طرح وہ چاہے نبی کے ہاتھ پر صادر فرما دے۔ اور اسی طرح کرامت ولی کا فعل نہیں ہوتا۔ بلکہ جب اللہ تعالیٰ چاہے تو اس کو ولی کے ہاتھ پر صادر کر دیتا ہے

راقم الحروف کی اس مسئلہ پر ایک مستقل کتاب بنام "راہِ ہدایت" طبع ہو چکی ہے جس میں قرآن کریم، صحیح احادیث، کتب عقائد اور معتبر علماء کرامؒ کے حوالہ جات سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ معجزہ اور کرامت اللہ تعالیٰ کا خاص فعل ہوتا ہے۔ جو نبی اور ولی کے ہاتھ پر صادر کیا جاتا ہے ان کا اس میں کچھ دخل نہیں ہوتا۔ چنانچہ ہم صرف چند عبارتیں اپنے دعوے کو مبرہن کرنے کے لیے یہاں بھی لکھتے ہیں۔

حضرت ملا علی القاری الحنفیؒ (المتوفی ۱۰۱۴ھ) ارقام فرماتے ہیں کہ :۔

المعجزۃ من العجز الذی ھو ضدُّ القدرۃ وفی التحقیق المعجز فاعل العجز غیرہ وھو اللہ سبحانہٗ (مرقات ہامش مشکوٰۃ صفحہ ۵۳ ج ۲) معجزہ عجز سے (مشتق) ہے، جو قدرت کی ضد ہے اور تحقیقی بات صرف یہ ہے کہ معجزہ وہ ہے جو غیر کے اندر عجز کا فعل پیدا کرے اور وہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ذات مقدس ہے۔

اس عبارت سے بھی بصراحت یہ بات ثابت ہو گئی کہ درحقیقت معجز (یعنی عجز کا فعل پیدا کرنے والا) صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے اور معجزہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کا فعل ہے۔

۲۔ اور علامہ قاضی عیاضؒ بن موسیٰ بن عیاض المالکیؒ (المتوفی ۵۴۴ھ) لکھتے ہیں کہ:۔

اعلم انّ معنی تسمیۃ ماجاءت به الانبیاء معجزة هو انّ الخلق عجزوا عنه فیعجزهم عنه هو فعل الله تعالیٰ دلّ علیٰ صدق نبیّه (شفا ص۱۲۲)	جاننا چاہیئے کہ (جو خارق عادت) چیز حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ہاتھ پر صادر ہوتی ہے اس کو اس لیے معجزہ کہتے ہیں۔ کہ مخلوق اس کے ظاہر کرنے سے عاجز ہوتی ہے۔ اور جب مخلوق اس سے عاجز ہوئی، تو معلوم ہوا۔ کہ معجزہ خالص خدا تعالیٰ کا فعل ہی ہوگا، جو نبی کی صداقت کی واضح دلیل ہے۔

یہ عبارت بھی اپنے مدلول پر بالکل واضح ہے۔

(۳) امام الفلاسفہ والمناطقہ محمدؒ بن محمد الغزالیؒ (المتوفی ۵۰۵ھ) لکھتے ہیں کہ:۔

ووجه دلالة المعجزة علی صدق الرسل ان کل ما عجز عنه البشر لم یکن الا فعلا لله تعالیٰ فمهما کان مقرونا بتحدی النبی صلی الله علیه وسلم ینزل منزلة قوله صدقت۔ (احیاء العلوم جلد ۱ ص۹۷)	معجزہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی صداقت پر بایں طور دلالت کرتا ہے کہ جب اس کے ظاہر کرنے سے تمام انسان عاجز ہیں تو وہ صرف اللہ تعالیٰ کا فعل ہوگا اور بس۔ اور جب یہ نبی کی تحدی اور چیلنج سے مقرون ہوگا تو اس کا مطلب یہ ہوگا گویا کہ اللہ تعالیٰ نے تصدیق کردی کہ تو دعوائے رسالت میں سچا ہے۔

(۴) امام عبدالوہاب شعرانیؒ (المتوفی ۹۷۳ھ) الشیخ ابوطاہر القزوینی کی کتاب سراج العقول کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ:۔

اعلم ان البرهان القاطع على ثبوت نبوة الانبياء هو المعجزات وهي فعل يخلقه الله خارقا للعادة على يد مدعي النبوة معترفا بدعواه وذالك الفعل يقوم مقام قول الله عزوجل له انت رسولي تصديقا لما ادعاه الخ (الیواقیت والجواهر ص۱۵۸ ج۱)

جاننا چاہیئے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی نبوت کے ثبوت پر واضح ترین دلیل صرف معجزات ہیں اور معجزہ وہ فعل ہے، جس کو خرقِ عادت کے طور پر اللہ تعالیٰ مدعی نبوت کے ہاتھ پر اس کے دعوائے نبوت کی تصدیق کرتے ہوئے صادر فرمائے اور یہ فعل اللہ تعالیٰ کے اس قول کے قائم مقام ہے کہ تو اپنے دعوائے رسالت میں بالکل صادق ہے۔

۵۔ مشہور مؤرخِ اسلام علامہ عبدالرحمٰنؒ بن خلدون المغربیؒ (المتوفی ۸۰۸ھ) لکھتے ہیں کہ:۔

ومن علاماتهم ايضاً وقوع الخوارق لهم شاهدة بصدقهم وهي افعال يعجز البشر عن مثلها فسميت بذلك معجزة وليست من جنس مقدور العباد وانما تقع في غير محل قدرتهم وللناس في كيفية وقوعها ودلالتها على تصديق الانبياء خلاف فالمتكلمون بناء على القول بالفاعل المختار قائلون بانها واقعة

حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی (صداقت کی) علامات میں سے خوارقِ عادت کا وقوع بھی ہے جو ان کی صداقت پر شہادت دیتے ہیں۔ اور وہ ایسے افعال ہوتے ہیں جن سے انسان عاجز ہیں اسی وجہ سے ان کو معجزہ کہا جاتا ہے۔ اور یہ افعال ان افعال کی جنس سے نہیں ہیں جن پر بندوں کو قدرت ہوتی ہے بلکہ یہ افعال بندوں کے محل قدرت سے باہر ہوتے ہیں اور لوگوں کا معجزات کے وقوع اور ان کی تصدیق انبیاء علیہم السلام پر دلالت کرنے کی کیفیت

بقدرة الله لا بفعل النبی و ان کانت افعال العباد عند المعتزلة صادرة عنهم الا ان المعجزة لا تکون من جنس افعالهم ولیس للنبی فیها عند سائر المتکلمین الا التحدی بها باذن الله وھو ان یستدل بها النبی صلی اللہ علیه وسلم قبل وقوعها علی صدقه فی مدعاه فاذا وقعت تنزلت منزلة القول الصریح من الله بانه صادق (مقدمہ ص۹۳)

میں اختلاف ہے متکلمین کہتے ہیں، کہ چونکہ فاعل مختار ایک ہی ہے اس لیے یہ معجزات اللہ تعالیٰ کی قدرت ہی سے واقع ہوتے ہیں۔ نبی کے فعل سے نہیں واقع ہوتے معتزلہ اگرچہ بندوں کے افعال کو خود ان سے صادر مانتے ہیں، مگر معجزات کے بارے میں معتزلہ بھی یہی کہتے ہیں۔ کہ معجزات میں بندوں کے فعل کا کوئی دخل نہیں ہوتا اور تمام متکلمین کے نزدیک نبی کا کام معجزہ میں صرف باذن اللہ تحدی اور چیلنج کرنا ہے بایں طور کہ ان کے وقوع سے پہلے وہ اپنے مدعا کے صدق پر اس سے استدلال کرتے ہیں۔ اور جب معجزہ واقع ہو جاتا ہے تو گویا خدا کی طرف سے صریح قول صادر ہو جاتا ہے۔ کہ نبی صادق ہے اور معجزہ گویا بمنزلہ قول صریح کے ہوتا ہے

علامہؒ کی اس عبارت سے صاف طور پر یہ معاملہ حل ہو گیا ہے۔ کہ معجزات ان افعال سے ہرگز نہیں ہیں جن پر انسانوں کو قدرت حاصل ہوتی ہے، بلکہ معجزات محل قدرت سے بالکل خارج ہوتے ہیں، نیز یہ بھی واضح ہو گیا۔ کہ متکلمین بلکہ معتزلہ کے نزدیک بھی معجزہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے، نبی کا فعل نہیں ہوتا، نبی کا کام اس میں صرف باذن اللہ تحدی ہوتی ہے اور بس، اور یہ معجزہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبوت و رسالت کی عملی تصدیق ہوتی ہے

جو گویا اس قولِ خداوندی کے قائم مقام ہوتی ہے کہ واقعی یہ میرا رسول اور نبی ہے۔ اور میں اس معجزہ کے فعل سے اس کی تصدیق کرتا ہوں۔

۶۔ حافظ کمال الدین ابن ہمام الحنفیؒ (المتوفی ۸۶۱ھ) لکھتے ہیں کہ

انها لما كانت مما يعجز عنه الخلق لم تكن الّا فعلاً لله سبحانه (المسائرہ ج۲ ص۸۹ مع المسامرہ)

معجزہ جب ایسی چیز ہے۔ کہ اس کے صادر کرنے سے مخلوق عاجز ہے، تو معجزہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کا فعل ہوگا

۷۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی الحنفیؒ (المتوفی ۱۰۵۲ھ) تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

معجزہ فعل نبی نیست بلکہ فعل خدائے تعالےٰ است کہ بر دست وے اظہار نمودہ بخلاف افعالِ دیگر کہ کسب آں از بندہ است و خلق از خدا تعالیٰ و در معجزہ کسب نیز از بندہ نیست۔ (مدارج النبوۃ جلد۲ ص۱۱۶ مطبوعہ ناصری دہلی)

معجزہ نبی کا فعل نہیں ہوتا بلکہ خدا تعالےٰ کا فعل ہوتا ہے جس کو نبی کے ہاتھ پر وہ ظاہر کرتا ہے بخلاف دیگر افعال کے کہ ان میں کسب بندہ کی طرف سے اور خلق خدا تعالےٰ کی طرف سے ہوتا ہے مگر معجزہ میں کسب بھی بندہ کی طرف سے نہیں ہوتا۔

نیز حضرت شیخ صاحبؒ ارقام فرماتے ہیں کہ:۔

چہ معجزہ و کرامت فعل خدا است کہ ظاہر مے گردد بر دستِ بندہ بجہت تصدیق و تکریم وے نہ فعل بندہ است کہ صادر مے گردد بقصد و اختیار او مثل سائر افعال۔ (ترجمہ فتوح الغیب ص۲۷ از حضرت شیخ عبدالحقؒ)

کیونکہ معجزہ اور کرامت خدا تعالیٰ کا فعل ہے جو بندہ کے ہاتھ پر اس کی تصدیق و تکریم کی غرض سے صادر ہوتا ہے معجزہ اور کرامت بندہ کا فعل نہیں ہے جو اس کے قصد و اختیار سے صادر ہو جیسے کہ اس کے دوسرے افعال اختیاریہ ہیں جو اس کے

قصد و اختیار سے صادر ہوتے ہیں ۔

یہ سب حوالے اپنے مدلول پر واضح طور پر دال ہیں، ایک چیز اور بھی قابلِ لحاظ ہے. وہ یہ کہ خلافِ عادت چیز کو دیکھ کر یہ فیصلہ کرنا باطل ہے کہ جس کے ہاتھ پر یہ واقعہ صادر ہوا ہے، وہ ولی ہے، ورنہ (معاذ اللہ) دجال رئیس الاولیا ہو جائے گا، حقیقت یہ ہے کہ اگر کسی کا عقیدہ صحیح ہو۔ اور وہ متقی اور نیک ہو تو جو چیز اس کے ہاتھ پر صادر ہوگی اس کو کرامت اور جس کے ہاتھ پر صادر ہوئی ہے، اس کو ولی کہیں گے، ورنہ وہ استدراج ہوگا، جو کافروں اور بدکاروں کے ہاتھ پر بھی صادر ہو جاتا ہے، یعنی خارقِ عادت چیز سے کسی کی ولایت پر استدلال نہیں کیا جا سکتا۔ بلکہ اس کی نیکی اور تقویٰ سے اس کے ہاتھ پر صادر ہونے والے فعل کو کرامت سے تعبیر کیا جائے گا۔ اور ان دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے ۔

جب یہ بات ثابت ہو گئی۔ کہ معجزہ نبی کا اپنا فعل نہیں ہوتا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے۔ تو اس قاعدہ کو ذہن نشین کر لینے کے بعد نہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی معراج جسمانی کا انکار ہو سکتا ہے، اور نہ ہی حضرت عیسٰی علیہ السّلام کے آسمان پر تشریف لے جانے اور نہ واپس تشریف لانے کا کیونکہ یہ فعل خود جناب باری تعالیٰ کا تھا۔ اور اس کے لیے کوئی چیز اَن ہونی نہیں ۔ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ط

اگرچہ یہ خارق عادت چیز پُر از تعجب تو ہی سکتی ہے۔ لیکن قابل انکار ہرگز نہیں ہو سکتی۔ اور حقیقت یہ ہے۔ کہ اگر اس چیز میں حیرت انگیز خوبی موجود نہ ہو۔ تو معجزہ (اور انگریزی میں مرکیل) کہلانے کے مستحق ہی نہیں ہے۔ کیونکہ اعجاز کا معنیٰ ہی یہی ہے ۔ اعجاز ناتواں گردانیدن و عاجز یافتن کسے را (صراح صـ ۲۲۵) یعنی لفظ اعجاز میں عاجز کر دینے اور عاجز پا لینے کا مفہوم داخل ہے ۔

اور مرزا صاحب لکھتے ہیں کہ معجزات ہمیشہ خارقِ عادت ہی ہوا کرتے ہیں، ورنہ وہ معجزے ہی کیوں کہلائیں۔ (ضمیمہ چشمۂ معرفت صہ ۴۲)

اور یہ اسی صورت میں ہوسکتا ہے۔ کہ اس چیز میں اعلیٰ درجہ کی حیرت موجود ہو۔ کہ ہر دیکھنے والا دنگ رہ جائے۔ اور خود اس کے صادر کرنے سے عاجز اور قاصر رہے۔

اور ایسی خارق عادات چیزوں کے وقوع کا اقرار دنیا کے ہر مذہب اور ہر قوم نے کیا ہے۔ بلکہ دنیا کا ہر عقلمند انسان اس کو تسلیم کرتا آیا ہے۔ ہیومؔ اور ہیگلؔ جرمنی نے اگرچہ معجزات کا انکار کیا ہے لیکن انہیں کے ابنائے مذہب و قوم نے ان کے خیالات کی دھجیاں فضائے آسمانی میں بکھیر کر رکھ دی ہیں۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم اس قوم کے بعض مذہبی اور تاریخی اقوال پیش کردیں اکہ جن کے سایۂ عاطفت میں مرزا صاحب کو وہ آرام نصیب ہوا ہے جو ان کو مکہؔ مکرمہ میں بھی نصیب نہ ہوسکتا تھا، اور جس قوم کی تاریخ میں انہوں نے بزعمِ خود پچاسؔ الماریاں لکھ کر چار چاند لگائے ہیں، اور جس قوم کے وہ خود "کاشتہ پودا" ہیں، کیونکہ اگر مکی اور مدنی سرمہ ان کی آنکھوں کو منوّر نہیں کرسکتا، تو کیا بعید ہے کہ حقِ نمک ادا کرتے ہوئے لندن اور یورپ کا بنا ہوا سرمہ ہی اکسیر ثابت ہوجائے۔

چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات کا اناجیل میں ذکر ہے ایک معجزہ یہ تھا۔

۱۔ پھر اس (یعنی مسیح علیہ السّلام) نے وہ پانچ روٹیاں اور دو مچھلیاں لیں۔ اور آسمان کی طرف دیکھ کر برکت دی، اور روٹیاں توڑ کر شاگردوں کو دیں۔ اور شاگردوں نے لوگوں کو اور سب کھا کر سیر ہوگئے۔ اور انہوں نے بچے ہوئے ٹکڑوں سے بھری ہوئی ٹوکریاں اٹھائیں اور کھانے والے عورتوں اور بچوں کے سوا پانچہزار مرد کے قریب تھے۔
(انجیل متی باب ۱۴ آیت ۱۹ تا ۲۲ اور انجیل یوحنا باب ۶ آیت ۵ تا ۱۳)

پروفیسر ہکسلے اسی انجیلی روایت پر بحث کرنے کے بعد لکھتا ہے۔

تشفی بخش شہادت کے بعد مجھ کو یہ ماننا پڑے گا۔ کہ پچھلے خیالات غلط تھے، اور اس معجزہ کو ممکنات فطرت کی ایک نئی اور خلاف توقع مثال سمجھوں گا۔ (مقالات ۵ صـ ۲۰۳)

۲۔ مشہور حکیم ڈاکٹر کارپنٹر لکھتا ہے۔

قائل مذہب سائنسدان کو یہ ماننے میں کوئی عقلی دشواری نہیں پیش آسکتی ہے کہ خالق فطرت اگر چاہے۔ تو کبھی کبھی قانون فطرت کے خلاف کر سکتا ہے، مجھ کو معجزات کے خلاف سائنس کے کسی فتویٰ کا علم نہیں ہے۔ جو معتبر شہادت کی موجودگی میں ان کے قبول سے مانع ہو۔ لہذا میرے نزدیک اصل سوال صرف یہ ہے۔ کہ آیا اس قسم کی تاریخی معتبر شہادت موجود ہے یا نہیں، جس سے معلوم ہو کہ خالق فطرت کبھی کبھی خلاف فطرت بھی کر دیا کرتا ہے۔

(ماخوذ از سیرت النبی ۳ صـ ۱۲۸)

۴۔ پروفیسر ڈالبیر اپنی کتاب مادہ، ایتھر، حرکت میں لکھتا ہے۔

اس امر کی ہمارے پاس خاصی شہادت موجود ہے، جس کو آسانی سے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ کہ بعض طبعی حوادث اس طرح وقوع پذیر ہوتے ہیں کہ ان کے تمام معمولی علل واسباب غائب ہوتے ہیں، مگر اجسام حرکت کرتے ہیں۔ درآنحالیکہ نہ تو کوئی شخص ان کو چھو رہا ہے۔ اور نہ برقی و مقناطیسی عوامل کا پتہ چلتا ہے۔ اس کی بھی شہادت موجود ہے کہ ایک نفس کا خیال دوسرے نفس میں بلا کسی وساطت کے پہنچ سکتا ہے۔ اور جس قسم کے واقعات کو معجزہ سمجھا جاتا ہے۔ ان کا وقوع اب غیر اغلب نہیں رہا ہے۔

۵۔ ہکسلے لکھتا ہے۔

رہا مریمؑ کے کنوار پن میں مسیح کا پیدا ہونا تو یہ نہ صرف ممکن التصور شئی ہے، بلکہ علم الحیات کی تحقیقات نے ثابت کر دیا ہے۔ کہ بعض اصناف حیوانات میں یہ روزانہ کا واقعہ ہے۔ یہی حال احیار موتیٰ کا ہے بعض جانور مر کر مومیات کی طرح بالکل خشک ہو جاتے ہیں۔ لمبے عرصہ تک اسی حالت میں رہتے ہیں لیکن جب ان کو مناسب حالات میں رکھ دیا جاتا ہے۔ تو پھر جان آجاتی ہے۔

(مقالات ۵ ص ۱۹۹)

۶۔ انیسویں صدی کے مشہور فلسفی ڈاکٹر وارڈ نے ایک مفروض مثال سے سمجھایا ہے۔ کہ فرض کرو کہ افریقہ کے کسی صحرا میں ایک نہایت عظیم الشان سلسلۂ عمارت ہے۔ جو چاروں طرف ایک چار دیواری سے گھرا ہوا ہے۔ اس کے اندر ایک خاص ذی عقل مخلوق آباد ہے، جو احاطے سے باہر نہیں جا سکتی یہ عمارت ایک ہزار سے زائد کمروں پر مشتمل ہے، جو سب مقفل ہیں اور کنجیوں کا پتہ نہیں کہ کہاں ہیں، بڑی محنت و جستجو کے بعد کل پچیس ۲۵ کنجیاں ملی ہیں، جن سے ادھر اُدھر کے پچیس ۲۵ کمرے کھل جاتے ہیں، جو سب ہم شکل ہیں، لہٰذا کیا اس بنار پر اس احاطے کے رہنے والوں کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ قطعیت کے ساتھ یہ دعوے کریں کہ بقیہ ۹۷۵ کمرے بھی اسی شکل کے ہیں۔

(سسٹم آف لاجک نظام منطق از جان اسٹورٹ مل کتاب سوم باب ۲ فصل ۴ حاشیہ)

۷۔ پروفیسر ہکسلے لکھتا ہے۔

لیکن پانی پر چلنا یا پانی کو شراب بنا دینا یا بچہ کا بے باپ پیدا ہونا یا مُردہ کو زندہ کر دینا یہ چیزیں مفہوم بالا (کہ منطقی ناممکنات کا وجود تو ہے، لیکن طبعی ناممکنات کا قطعاً وجود نہیں) کے رُو سے ناممکن نہیں ہیں۔ ہاں اگر ہم یہ دعوے کر سکتے کہ فطرت اشیاء کے متعلق

ہمارے علم نے تمام ممکنات کا کامل احاطہ کر لیا ہے۔ تو شاید یہ کہنا بجا ہوتا۔ کہ آدمی کے صفات پانی پر چلنے یا ہوا میں اڑنے کے متناقض ہیں۔ لیکن یہ حقیقت روز روشن کی طرح ظاہر ہے۔ کہ علم فطرت کی انتہا تک پہنچنا کیسا؟ ابھی تک ہم اس کی ابتدا اور ابجد سے آگے نہیں بڑھے ہیں۔ بلکہ ہماری قوتیں اس قدر محدود ہیں کہ کبھی بھی ہم ممکنات فطرت کی حدبندی نہیں کر سکتے۔

(ممکنات و ناممکنات از پروفیسر کسلے ص۱۹۷)

۸۔ انگلستان کا مشہور منطقی ولیم اسٹانل جیونس لکھتا ہے۔

کہ اوپر علم سائنس کی حقیقت و نوعیت کے متعلق جو بحثیں گذری ہیں۔ ان سے ایک نتیجہ جو نہایت صاف طور پر نکلتا ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ ہم کارخانہ فطرت میں مداخلتِ خداوندی کے امکان کو کسی طرح باطل نہیں ٹھہرا سکتے۔ جس قوت نے کائناتِ مادی کو خلق کیا ہے۔ وہ میرے نزدیک اس میں حذف و اضافہ بھی کر سکتی ہے۔ اس قسم کے واقعات ایک معنی کر کے ہمارے لیے ناقابلِ تصور نہیں ہیں۔ جیسا کہ خود عالم کا وجود ہے۔ (اصول سائنس کا حاشیہ ص۷۶۶)

ناظرینِ کرام! ان مختصر اقتباسات سے حقیقت معجزات پر اور ان کے وقوع پر کافی روشنی پڑتی ہے۔ اب ذرا مرزا صاحب کی تحریرات امکانِ معجزات پر ملاحظہ فرمایئے۔ خود مرزا صاحب لکھتے ہیں۔

۱۔ مگر آج تک اس کے کاموں کی حدبست کس نے کی ہے؟ اور کون کہہ سکتا ہے کہ وہ اس کی عمیق اور بے حد قدرتوں کی انتہا تک پہنچ سکتا ہے۔ بلکہ اس کی قدرتیں غیر محدود ہیں۔ اور اس کے عجائب کام ناپیدا کنار ہیں۔ وہ اپنے خاص بندوں کے لیے اپنا قانون بھی بدل لیتا ہے۔ مگر وہ بدلنا بھی اس کے قانون ہی میں داخل ہے۔ (چشمۂ معرفت ص۹۶)

۲۔ خدا کے قانون کی وہ شخص حدبست کر سکتا ہے۔ جو خدا سے بھی بڑھ کر ہو۔ ورنہ یہ

خیال بے ادبی اور بے ایمانی ہے۔ کہ وہ خدا جس کے اسرار ورار الورا ہیں اور جس کی قدرتیں اس کی ذات کی طرح ناپیداکنار ہیں اس کے عجائبات قدرت کو کسی حد تک محدود کر دیا جائے۔

(چشمۂ معرفت ص۲۱۲)

۳۔ اور جو اس کے کام عوام کے لیے محال ہیں۔ اور ظاہر نہیں ہوتے۔ وہ خواص کے لیے بباعث ان کے تعلق کے ظاہر کیے جاتے ہیں۔ (چشمۂ معرفت ص۲۱۲)

۴۔ انبیاء علیہم السلام کے لیے کوئی نہ کوئی تخصیص اگر اللہ تعالیٰ کر دیتا ہے۔ تو یہ کوتاہ اندیش لوگوں کی ابلہ فریبی اور غلطی ہے۔ کہ اس پر اعتراض کرتے ہیں۔ (ملفوظات احمدیہ ص۴۲)

۵۔ کیونکہ اس کی غیر متناہی حکمتوں اور قدرتوں کے آگے کوئی بات ان ہونی نہیں۔

(براہین حصہ دوم حاشیہ ص۳۶۷)

۶۔ اس وقت امام رازی علیہ الرحمۃ کا یہ قول نہایت پیارا معلوم ہوتا ہے کہ۔

من اراد ان یکتال مملکۃ الباری — جو شخص اللہ تعالیٰ کی قدرتوں کو عقل کے
بمکیال العقل فقد ضل ضلالاً — پیمانہ پر ناپنا چاہتا ہے تو وہ کھلے طور پر
بعیداً (آئینہ کمالات اسلام حاشیہ ص۸۲) — گمراہ ہے۔

۷۔ حضرت مسیح کا بغیر باپ کے پیدا ہونا بھی امور نادرہ میں سے ہے۔ خلاف قانون قدرت نہیں ہے۔ کیونکہ یونانی، مصری، ہندی طبیبوں نے اس امر کی بہت سی نظریں لکھی ہیں کہ بغیر باپ کے بھی بچہ پیدا ہو جاتا ہے۔ (حاشیہ تحفہ گولڑویہ ص۱۱ و خطبہ الہامیہ ص۴۳)

۸۔ خدا جو آج بھی ایسا ہی قادر ہے۔ جیسا کہ آج سے دس ہزار برس پہلے قادر تھا۔

(براہین احمدیہ حصہ پنجم ص۶)

۹۔ پھر مضمون پڑھنے والے نے قرآن شریف پر یہ اعتراض کیا کہ اس میں لکھا ہے کہ

عیسٰی معہ گوشت پوست آسمان پر چڑھ گیا۔ ہماری طرف سے یہ جواب کافی ہے۔ کہ اوّل تو خدا تعالیٰ کی قدرت سے کچھ بعید نہیں۔ کہ انسان معہ جسم عنصری آسمان پر چڑھ جائے الخ (چشمۂ معرفت ص۲۱۹)

لہ لیکن آگے لکھتے ہیں۔ کہ قرآن کریم میں فِیۡهَا تَحۡیَوۡنَ الآیت (وغیرہ) اس کی نفی کرتی ہے۔ کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام جسم عنصری کے ساتھ آسمان پر تشریف لے گئے ہوں۔ کیونکہ آیت مذکورہ کا معنیٰ یہ ہے۔ کہ انسان زمین ہی پر زندہ رہتے ہیں اور رہیں گے۔ تو عیسٰی علیہ السلام اس عام قانون سے کس طرح مستثنیٰ ہو سکتے ہیں؟ ہم اس کے اختصاراً جوابات عرض کرتے ہیں۔ کہ مرزا صاحب کا استدلال صحیح نہیں۔ اوّلاً ہزاروں لوگ ہوائی جہازوں پر سیر کرتے وقت فضائے آسمانی میں زمین سے دور ہو کر زندہ رہتے ہیں تو کیا یہ فِیۡهَا تَحۡیَوۡنَ کے خلاف ہے؟ اور اب تو چاند اور مشتری وغیرہ پر سفر کرنے کے امکانات موجودہ سائنس نے اور دبا کر دیئے ہیں اگر روسی کتیا لائیکا فضائے آسمانی میں کئی دن زندہ رہ سکتی ہے اور اگر معلق اڈہ بنانا ممکن ہو سکتا ہے۔ اور اگر چاند تک سفر کرنے والوں کے لیے سٹیشن ریزرو ہو سکتے ہیں۔ اور اگر روسی جھنڈا چاند پر مرتکز ہو سکتا ہے، اور اب تو امریکہ اپنے اپالو کے ذریعہ دو دفعہ انسانوں کو چاند پر اتار چکا ہے اور جو کئی گھنٹے چاند پر گھومتے رہے۔ اور زندہ واپس زمین پر اتر آئے ہیں تو معراج جسمانی اور رفع مسیح علیہ السلام پر کیا اشکال ہو سکتا ہے۔ باقی طویل اور غیر طویل زندگی کے فرق امتیازی پر نہ عقلی دلیل قائم ہے اور نہ نقلی، ثانیاً حضرت آدم اور حوا علیہما السلام نے زمین کے بغیر بھی جنت میں زندگی کا کچھ عرصہ گذارا ہے تو عیسٰی علیہ السلام کیوں نہیں گذار سکتے؟ فما هو جوابكم فهو جوابنا، ثالثاً مرزا صاحب لکھتے ہیں وہی موسیٰ مرد خدا ہے جس کی نسبت قرآن میں اشارہ ہے کہ وہ زندہ ہے۔ اور ہم پر فرض ہو گیا۔ کہ ہم اس بات پر ایمان لاویں۔ کہ وہ زندہ آسمان پر موجود ہے۔ وَلَمۡ يَمُتۡ وَلَيۡسَ مِنَ الۡمَيِّتِيۡنَ۔ (نور الحق حصہ اول ص۵۰)

یہاں تو اشارہ قرآن کہا ہے۔ لیکن حمامۃ البشریٰ ص۳۵ میں لکھتے ہیں کہ موسیٰ کلیم اللہ کی زندگی نص قرآنی سے ثابت ہے۔

تو جس طرح مرزا صاحب فِیۡهَا تَحۡیَوۡنَ کے خلاف حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی نص قرآنی سے آسمان پر تسلیم کرتے ہیں اسی طرح حضرت عیسٰی علیہ السلام کی حیات بھی مان لیں۔ کہ نہ ہینگ لگے نہ پھٹکڑی۔

مرزا صاحب کے اِن حوالوں سے بجزئی معجزات کا ممکن الوقوع ہونا ثابت ہو چکا ہے لیکن یہ سوال پیدا ہوگا۔ کہ کیا کسی چیز کے ممکن ہونے سے اِس کا خارج میں متحقق ہونا بھی لازم آتا ہے؟ اور مرزا صاحب معجزات کے خارج میں موجود ہونے پر کیا نظریہ رکھتے ہیں؟ تو اس کا جواب بھی مرزا صاحب کی تحریرات ہی سے سُن لیجئے کہ خارج میں معجزات کا وقوع ہوتا رہا ہے۔

۱۔ مرزا صاحب لکھتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام آگ میں ڈالے گئے مگر خدا نے ان کو صحیح و سالم بچا لیا (اوکمال قال تحفہ گولڑویہ صـ۲۳۶ و حقیقۃ الوحی صـ۵۰ و چشمۂ معرفت صـ۹۶)

۲۔ خدا تعالیٰ کی پاک کتابیں یہ گواہی دیتی ہیں کہ یونس علیہ السلام خدا کے فضل سے مچھلی کے پیٹ میں زندہ رہے۔ (مسیح ہندوستان صـ۱۴)

۳۔ خدا تعالےٰ کے کرشمۂ قدرت نے ایک لمحہ کے لیے عزیز علیہ السلام کو زندہ کر کے دکھا دیا تاکہ اپنی قدرت پر اس کو یقین دلائے۔ مگر وہ دنیا میں آنا صرف عارضی تھا۔ الخ (ازالہ اوہام صـ۱۰۴)

۴۔ قرآن کریم میں مذکور ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی انگلی کے اشارے سے چاند دو ٹکڑے ہو گیا۔ اور کفار نے اس معجزہ کو دیکھا۔ (ضمیمۂ چشمۂ معرفت صـ۱۴) قرآن کریم میں شق القمر کا ذکر تو ہے، لیکن قرآن کریم میں اس کا ذکر نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی انگلی کے اشارہ سے چاند دو ٹکڑے ہوا تھا (صفدرؔ)

۵۔ عصا سانپ کی شکل بن گیا۔ (براہین احمدیہ صـ۲۴۳)

۶۔ کمر تک لمبی ڈاڑھی والی ایک عورت تھی (سرمہ چشمۂ آریہ صـ۴۷)

۷۔ مظفر گڑھ میں ایک بکرا نے قریب ڈیڑھ سیر دودھ دیا۔ مسٹر میکالیف صاحب ڈپٹی کمشنر مظفر گڑھ نے وہ بکرا لاہور چڑیا گھر میں بھیج دیا۔ (سرمہ چشمۂ آریہ صـ۴۷)

۸۔ امیر علی ایک سید لڑکا اپنے باپ ہی کے دودھ سے پرورش پاتا تھا۔ کیونکہ اس

کی ماں مرگئی تھی۔ (سرمہ چشمہ آریہ صفحہ ۴۷)

۹۔ بعض نے یہ بھی دیکھا کہ چوہا خشک مٹی سے پیدا ہوا۔ جس کا آدھا دھڑ تو مٹی تھا اور آدھا چوہا بن گیا۔ حکیم فاضل قرشی نے لکھا ہے۔ کہ ایک بیمار کا کان بہرہ ہو گیا۔ کان کے نیچے ایک ناسور پیدا ہو گیا۔ آخر سوراخ ہو گئے۔ اس سوراخ کی راہ سے وہ برابر سن لیتا تھا۔ طبیبوں نے آڑی سوراخ ہو کر مدت تک پاخانہ آتے رہنا تحریر کیا ہے۔ (سرمہ چشمہ آریہ صفحہ ۴۸)

۱۰۔ بعض درخت ایسے ہیں کہ ان کے پتوں میں سے بڑے بڑے پرندے پیدا ہو جاتے ہیں۔ ان میں سے ایک آک کا درخت ہے۔ (چشمۂ معرفت صفحہ ۲۶۹)

۱۱۔ اور بعض درختوں کے پھل پختہ ہونے اور کھانے کے قابل ہو جاتے ہیں۔ تو وہ سب کے سب پرندے بن جاتے ہیں۔ اور دوسرے پرندوں کی طرح پرواز کرتے ہیں۔ جیسا کہ گولیر کا پھل بھی اسی طرح کا ہے۔ (چشمۂ معرفت صفحہ ۳۲۷)

۱۲۔ جیسے پانی میں مری ہوئی مکھیاں ہوتی ہیں۔ تو اس صورت میں اگر نمک باریک پیس کر اس مکھی وغیرہ کو اس کے نیچے دبا دیا جائے اور پھر اسی قدر خاکستر بھی اس پر ڈالی جائے۔ تو مکھی زندہ ہو کر اڑ جاتی ہے۔ (براہین احمدیہ حصہ چہارم صفحہ ۲۲۴)

۱۳۔ اب بھی ہم دیکھتے ہیں۔ کہ ہزاروں کیڑے مکوڑے مٹی سے پیدا ہو رہے ہیں۔

(تریاق القلوب صفحہ ۱۴۷)

۱۴۔ حضرت حوّا پسلی سے بنائی گئی ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ کی قدرت پر ایمان لاتے ہیں۔

(ملفوظات صفحہ ۱۳۳)

۱۵۔ کہ (چوتھے لڑکے مبارک احمد نے صفحہ ۴۰) یکم جنوری ۱۸۹۷ء میں بطور الہام یہ کلام مجھ سے کیا اور مخاطب بھائی تھے۔ کہ مجھ میں اور تم میں ایک دن کی میعاد ہے۔ یعنی اے میرے

بھائیو! میں پورے ایک دن کے بعد تمہیں ملوں گا۔ اِس جگہ ایک دِن سے مراد دو برس تھے۔ (پھر آگے لکھتے ہیں) مسیح نے تو صرف مہد میں ہی باتیں کیں مگر اس لڑکے نے پیٹ میں ہی دو مرتبہ باتیں کیں۔ (تریاق القلوب صفحہ ۱۴۷)

حضرات! آپ مرزا صاحب کی تحریرات پڑھ چکے۔ کہ خارق عادت امور کا دنیا میں وقوع ہوتا رہا ہے۔ اور مرزا صاحب کو بھی اس کا واضح تر الفاظ میں اقرار ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ کی قدرت پر ایمان لانے کے بغیر کوئی چارہ ہی نہیں۔ اور وہ اس پر ایمان لاتے ہیں۔

لطیفہ

مرزا صاحب کی ہر ادا نئی اور نرالی تھی۔ نبوّت نئی تھی۔ خدا نیا تھا۔ الہام نیا اور حساب بھی نیا تھا۔ نبوّت اِسلیئے نئی کہ ان کو ظلی، بروزی اور غیر تشریعی نبی ہونے کے باوجود تمام نبیوں سے اونچا تخت ملا۔ چنانچہ لکھا ہے۔

آسمان سے کئی تخت اُترے پر تیرا تخت سب سے اوپر بچھایا گیا۔" (حقیقۃ الوحی صفحہ ۸۹)

اور نیز لکھا ہے کہ" اِس وقت ہمارے قلم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلواروں کے برابر ہیں۔" (ملفوظات احمدیہ جلد ۱ صفحہ ۳۴۶) (معاذ اللہ)

اور خدا اِس لیے نیا کہ مرزا صاحب لکھتے ہیں۔

"نئی زندگی ہرگز حاصل نہیں ہوسکتی جب تک ایک نیا یقین پیدا نہ ہو اور کبھی نیا یقین پیدا نہیں ہوسکتا جب تک موسیٰ اور مسیح اور ابراہیم اور یعقوب اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح نئے معجزات نہ دکھائے جائیں، نئی زندگی انہی کو ملتی ہے، جن کا خدا نیا ہو یقین نیا ہو۔ نشان نئے ہوں۔ (تریاق القلوب کا ضمیمہ ۳ صفحہ ۳) اور الہام اِس لیے نیا کہ الہام تو مرزا صاحب کو ہو رہا تھا۔ لیکن مخاطب اس (یعنی جنین) کے بھائی تھے۔ مرزا صاحب پر اگر یہ الہام

ٹیچی (جو مرزا صاحب پہ وحی لایا کرتا تھا۔ حقیقۃ الوحی صـ۳۳۲ لایا تھا۔ تو یہ نام ہی بڑا عجیب ہے اور اگر خیراتی (مرزا صاحب کے ایک فرشتے کا نام تھا۔ (تریاق القلوب صـ۹۴) لایا تھا تب بھی وہ سمجھا ہو گا کہ خیراتی اور بناسپتی بنی کی طرح چنداں التفات کی ضرورت ہی نہیں چلو الہام مرزا صاحب کو ہوتا ہے۔ اور دیدار اور تخاطب ان کے صاحبزادوں سے ہوتا ہے ؏

شیخ بھی خوش رہے شیطان بھی ناراض نہ ہو

اور حساب اس طرح بنا کہ مرزا صاحب لکھتے ہیں۔ اس جگہ ایک دن سے مراد دو برس تھے۔ واہ سبحان اللہ کیا ہی حساب ہے۔ کہ ایک دن سے دو برس مراد ہیں۔

مرزا صاحب نے صداقتِ اسلام پر تین سو دلائل پیش کرنے کا دعوےٰ کیا تھا جب چندہ خوب فراہم ہو گیا۔ تو صرف دو دلیلیں لکھ کر خاموش ہو گئے۔ (براہین حصہ پنجم صـ۴) شاید ۲ کو تین سو تصوّر کر لیا ہو۔

براہین کی پچاس جلدیں لکھنے کا اعلان کیا۔ جب پانچ جلدیں لکھیں۔ تو سکوت فرما گئے۔ لوگوں نے تقاضا کیا۔ تو جواب میں لکھتے ہیں:۔

"پہلے پچاس لکھنے کا ارادہ تھا۔ مگر پچاس سے پانچ پر اکتفا کیا گیا۔ اور چونکہ پچاس اور پانچ کے عدد میں صرف ایک نقطہ (اور صفر) کا فرق ہے۔ اس لیے پانچ حصوں سے وعدہ پورا ہو گیا۔" (بلفظہٖ براہین حصہ پنجم صـ۷)

اربعین کے چالیس نمبر لکھنے کا اعلان کیا۔ جب چار لکھ کر ترکی ختم ہو گئی۔ تو ارشاد فرماتے ہیں چار کو بجائے چالیس کے خیال کر دو۔" (اربعین ۴ صـ۱۴)

یہ ہے مرزا صاحب کا حساب؟ دنیا خواہ کچھ ہی کہے مگر ان کی نرالی ادائیں تو باقی رہیں گی، کیا خوب؟ ؎

دریا کو اپنی موج کی طغیانیوں سے کام — کشتی کسی کی پار ہو یا درمیاں رہے

دوسرا باب

ہم بطور تمہید حقیقت معجزہ اس کے امکان و وقوع، اور خارج میں معجزات اور خارق عادت امور کے پائے جانے پر قرآن کریم کے علاوہ یورپین کے اقوال اور مرزا صاحب کی تحریرات پیش کر چکے ہیں۔ اس باب میں ہم معراج کے بارے میں قرآن کریم کی آیات اور احادیث نقل کرتے ہیں۔ معراج کا معنی زینہ اور سیڑھی کے آتے ہیں۔ معراج بالکسر نردبان و منہ لیلۃ المعراج (صراح صـ۸۹) اور یہ لفظ عروج سے مشتق ہے۔ زوال اور عروج تنا ہی ہوگا۔ چونکہ آسمان زمینوں کی طرح تہ بہ تہ ہیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالےٰ نے حالت بیداری میں ایک ہی رات کے اندر مسجد حرام سے بیت المقدس تک (جس کا ثبوت قرآن کریم سورۃ بنی اسرائیل کی پہلی آیت اور احادیث متواترہ سے ہے) پھر وہاں سے ساتوں آسمانوں اور سدرۃ المنتہیٰ وغیرہ کی سیر کرائی (جس کا بیان قرآن کریم سورۃ النجم میں مجملاً اور احادیث متواترہ میں مفصلاً مذکور ہے جن میں سے بعض کا ذکر آرہا ہے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا	پاک ہے وہ جو لے گیا اپنے بندہ کو راتوں رات
مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ	مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک جس کو گھیر رکھا ہے

الْاَقْصَی الَّذِیْ بَارَکْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیَاتِنَا اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ
ہماری برکت نے تاکہ دکھائیں اس کو کچھ اپنی قدرت کے نمونے۔ وہی ہے سننے والا دیکھنے والا۔

(پ ۱۵۔ بنی اسرائیل ا رکوع ۱)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے تین چیزیں ارشاد فرمائی ہیں۔

۱۔ لفظ سُبحان۔ یہ لفظ اس وقت بولا جاتا ہے۔ جب کہ عجیب و غریب اور خارق عادت نشانیاں دیکھنے میں آتی ہیں۔ یہ لفظ اس چیز کی دلیل ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جسم عنصری کے ساتھ حالتِ بیداری میں معراج کرائی گئی۔ ورنہ خواب کوئی ایسی چیز نہیں ہوتی۔ جس پہ اللہ تعالیٰ سجان کا اطلاق کرتا۔ (البدایہ والنہایہ از حافظ ابن کثیر ۳ ص ۱۱۴)

۲۔ یہاں لفظ عبد کا اطلاق کیا گیا ہے۔ اور زندہ انسان پہ عبد کا اطلاق جسم اور روح دونوں کے مجموعہ پر ہی آتا ہے۔ اور اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جسم مبارک کے ساتھ سیر نہ کرائی گئی ہوتی۔ تو اسرٰی بعبدہٖ نہ بولا جاتا بلکہ اسرٰی بروح عبدہٖ ہوتا۔ حالانکہ معاملہ بالکل اس کے برعکس ہے۔ (شفا قاضی عیاضؒ ص ۸۶)

۳۔ مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک کے سفر کو اللہ تعالیٰ نے لفظ اسرٰی سے تعبیر فرمایا ہے اور اسرٰی کا اطلاق حقیقۃً رات کی اس سیر پہ ہوتا ہے جو جسم اور روح دونوں کے ساتھ ہو۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ اللَّیْلِ (پ ۱۲۔ هود۔ رکوع ۷)
(اے لوط علیہ السلام) رات کے کسی حصہ میں اپنے لوگوں کو ساتھ لے کر نکل جا۔

اس سے یہ تو قطعاً مراد نہیں۔ کہ لوگوں کی ارواح کو لے کر چلے جائیں اور جسم یہاں ہی دھرے رہیں۔ بلکہ جسم اور روح دونوں کے ساتھ لے کر جانا مراد ہے۔

اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ میں ارشاد ہوتا ہے۔

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْٓ اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ۝ (پ ۱۹، شعراء، رکوع ۴)	اور حکم بھیجا ہم نے موسیٰؑ کو رات کو لے نکل میرے بندوں کو البتہ (فرعونی) تمہارا پیچھا کریں گے۔

اس آیت میں بھی اَسْرِ بِعِبَادِيْ سے زندہ انسانوں کو حالت بیداری میں ساتھ لے جانا مراد ہے، نہ کہ روحانی اسرار اور نہ خواب اور کشف۔

وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ۔ (پ ۱۵، بنی اسرائیل رکوع ۶)	اور نہیں بنایا ہم نے وہ دکھلاوا جو ہم نے تجھ کو دکھایا، مگر لوگوں کے لیے آزمائش

یہ آیت بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معراج سے تعلق رکھتی ہے۔ اگر آپ کو جسم اور روح دونوں کے ساتھ معراج نہ کرائی گئی ہوتی۔ تو اس میں لوگوں کے لیے کیا فتنہ اور کیا آزمائش تھی؟ خواب کا معاملہ نہ فتنہ ہوتا ہے۔ اور نہ آزمائش بلکہ ایک تعبیر طلب امر ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو چیز سب لوگوں کے لیے فتنہ اور آزمائش تھی۔ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معراج جسمانی ہی تھی۔

حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ جن کو مرزا صاحب کے نزدیک بھی قرآن کریم کی بڑی سمجھ اور مہارت حاصل تھی۔ فرماتے ہیں کہ:

هِيَ رُؤْيَا عَيْنٍ اُرِيَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةَ اُسْرِيَ بِهٖ (بخاری ۲ ص ۶۸۶ و ترمذی ۲ ص ۱۴۱)	رؤیا سے آنکھوں کا دکھاوا مراد ہے جو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کی رات دکھایا گیا تھا۔

بلکہ ساتھ ہی وہ خواب کی نفی کرتے ہیں لا رؤیا منام (شفا ص۸۰ والبدایہ والنہایہ ص۱۱۱/۳) کہ اس دکھاوے خواب کا دکھاوا مراد نہیں ہے

الغرض قرآن کریم کا اسلوب بیان اور حضرت ابن عباسؓ کی روایت اس چیز کو متعین کرتی ہے، کہ رؤیا سے آنکھوں کے ساتھ دکھاوا مراد ہے، خواب اور کشف ہرگز مراد نہیں۔

سوال:۔ لفظ رؤیا عربی زبان میں خواب پر اطلاق ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ معراج خواب کا ایک قصہ تھا یا ایک کشفی امر تھا۔ جو خواب سے قریب تر ہوتا ہے۔

جواب: لغت عربی میں رؤیا کا معنیٰ دکھاوا ہوتا ہے۔ آنکھوں کے ساتھ ہو یا خواب میں ہو۔ پھر جہاں کہیں یہ لفظ خواب پر بولا گیا ہے وہاں ایسے دلائل اور قرائن موجود ہیں کہ اس جگہ دکھاوے سے خواب کا دکھاوا مراد ہے۔ اور جہاں ایسے قرائن موجود نہ ہوں، یا وہاں آنکھوں کے ساتھ دیکھنے کے قرائن موجود ہوں، تو اس سے آنکھوں کا دکھاوا مراد ہوگی۔ اور قصہ معراج میں لفظ سبحان، عبد، اسراء اور فتنۃ للناس اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور دیگر جمہور صحابہ کرامؓ کی روایات آنکھوں کے ساتھ دکھاوا کو متعین کرتی ہیں۔ لہذا رؤیا سے آنکھوں کا دکھاوا ہی مراد ہو گی، خواب اور کشف مراد نہ ہو گی۔

البتہ یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے۔ کہ کیا رؤیا کا اطلاق بیداری میں آنکھوں کے ساتھ دیکھنے پر بھی عربی زبان میں وارد ہوا ہے یا نہیں؟ سو اس کا جواب یہ ہے۔ کہ زبان اہل عرب میں رؤیا کا اطلاق بیداری میں آنکھوں سے دیکھنے پر ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک راعی کہتا ہے۔ ؎

وَکَبَّرَ للرؤیا وَھَشَّ فؤادہ
وَبَشَّرَ قلبا کان جمّا بلابلہ

(روح المعانی ص۱۵/۱۰)

شکاری نے شکار دیکھتے ہی خوشی کے مارے تکبیر کہی اور اس نے اپنے غمگین دل کو جس میں غم جمع ہو چکا تھا، خوشخبری سنائی، اس شعر میں رؤیا کا اطلاق بیداری میں آنکھوں کے ساتھ دیکھنے پر ہوا ہے۔ متنبی بدر بن عمار کی تعریف کرتے ہوئے کہتا ہے ؂

مضی اللیل والفضل الذی لک لا یمضی

ورؤیاک احلی فی العیون من الغمض (دیوان ص۱۵۸)

رات ختم ہو چکی اور تیری تعریف ابھی ختم نہ ہوئی۔ اور آنکھوں کے ساتھ تجھے دیکھنا نیند سے بھی زیادہ میٹھا اور لذیذ ہے، اس شعر میں بھی لفظ رؤیا کا اطلاق آنکھوں کے ساتھ دیکھنے پر ہوا ہے۔ دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:-

ثُمَّ دَنٰی فَتَدَلّٰی ۝ فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی ۝ فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِہٖ مَا اَوْحٰی ۝ مَا کَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰی ۝ اَفَتُمٰرُوْنَہٗ عَلٰی مَا یَرٰی ۝ وَلَقَدْ رَاٰہُ نَزْلَۃً اُخْرٰی ۝ عِنْدَ سِدْرَۃِ الْمُنْتَہٰی ۝ عِنْدَھَا جَنَّۃُ الْمَاْوٰی ۝ اِذْ یَغْشَی السِّدْرَۃَ مَا یَغْشٰی ۝ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی ۝ لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّہِ الْکُبْرٰی

(پ ۲۷ - نجم - رکوع ۰۰)

پھر نزدیک ہوا پس اور نزدیک ہوا پھر رہ گیا فرق دو کمان کی برابر یا اس سے بھی نزدیک پھر حکم بھیجا اللہ نے اپنے بندہ پر جو بھیجا، غلطی نہیں کھائی رسول کے دل نے جو دیکھا۔ اب کیا تم اس سے جھگڑتے ہو اس پر جو اس نے دیکھا۔ اور اس نے اس کو دیکھا ہے اترتے ہوئے ایک بار اور بھی سدرۃ المنتہیٰ کے پاس، اس کے پاس ہے بہشت آرام سے رہنے کی جب چھا رہا تھا اس بیری پر جو کچھ بھی چھا رہا تھا، بہکی نہیں نگاہ اور نہ حد سے بڑھی بے شک دیکھے اس نے اپنے رب کے بڑے نمونے اور نشانیاں

ان آیات میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اس سفر کا ذکر ہے جو بیت المقدس

سے سدرۃ المنتہیٰ تک واقع ہوا ہے جس میں آنکھ اور دل نے بیداری میں سب کچھ دیکھا ہے۔ اور دل اور آنکھوں کو غلطی اور لغزش بھی نہیں ہوئی۔ اور لوگ اس عجیب سفر پر آپ سے جھگڑا ہی کرتے تھے اس سفر میں آپ نے اللہ تعالیٰ کی عجیب اور غریب نشانیاں دیکھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

ثُمَّ ذُهِبَ بِيْ اِلَى سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى فَاِذَا وَرَقُهَا كَاٰذَانِ الْفِيَلَةِ وَاِذَا ثَمَرُهَا مِثْلُ قِلَالِ هَجَرَ قَالَ هٰذِهٖ سِدْرَةُ الْمُنْتَهٰى۔	پھر مجھے سدرۃ المنتہیٰ تک لے جایا گیا میں نے دیکھا کہ بیری کے پتے ہاتھی کے کان کی طرح بڑے بڑے ہیں اور قبیلہ ہجر کے مٹکوں کی مانند اس کا پھل ہے حضرت جبرائیلؑ نے کہا یہ سدرۃ المنتہیٰ ہے۔

(بخاری ص۵۴۹ ومسلم ص۹۱ والبوعوانہ ص۱۲۱)

اور پھر وہاں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرف جو کچھ کہ اس کو منظور تھا۔ اپنا حکم بھیجا حضرت عبداللہ بن مسعود کی روایت میں آتا ہے کہ:۔

لَمَّا اُسْرِيَ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم انتہی بہ الیٰ سدرۃ المنتہی۔ الیٰ ان قال فراش من ذھب	جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اسراء اور معراج کرائی گئی۔ تو آپ کو سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچایا گیا۔ جہاں سونے کے پروانے اس کو گھیرے ہوئے تھے۔

(مسلم ص۹۷ نسائی ج۱ ص۵۲ ترمذی ص۱۶۲)

حضرات صحابہ کرامؓ کا وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى کی ضمیر مفعول میں اختلاف ہے کہ اس کا مرجع کون ہے؟ حضرت جبرائیل علیہ السلام ہیں یا خدا تعالیٰ ہے؟ حضرت عبداللہ بن عباسؓ وغیرہ فرماتے ہیں۔ کہ ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے۔ یعنی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے خدا تعالیٰ کو سدرۃ المنتہیٰ کے پاس دیکھا۔ اور حضرت عبداللہ بن مسعود

اور حضرت عائشہؓ اور دیگر اکابر یہ فرماتے ہیں۔ کہ مفعول کی ضمیر حضرت جبرائیل علیہ السلام کی طرف راجع ہے۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو اصلی شکل میں صرف دو مرتبہ دیکھا تھا۔ ان میں سے ایک مرتبہ جب کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام سدرۃ المنتہیٰ کے پاس نیچے اتر رہے تھے، چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی یہ روایت مسلم ص ۹۸ ج ۱ وغیرہ میں موجود ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرات صحابہ کرامؓ کا اس میں تو اختلاف تھا۔ کہ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جسمانی آنکھوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے یا نہیں؟ ایک گروہ قائل تھا۔ اور دوسرا منکر لیکن معراج جسمانی میں کسی صحابی کو اختلاف نہ تھا۔ حتیٰ کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کو بھی، کیونکہ وہ رویت خداوندی کا تو بڑی شد ومد سے انکار فرماتی ہیں۔ لیکن معراج جسمانی کا انکار نہیں کرتیں بلکہ سدرۃ المنتہیٰ کے پاس آسمان سے نیچے اترتے ہوئے اصلی شکل میں حضرت جبرائیل علیہ السلام کی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے رویت پُر زور الفاظ میں ثابت کرتی ہیں۔ اور اپنے اس دعوے پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث پیش کرتی ہیں (دیکھئے مسلم ص ۹۸ ج ۱ وغیرہ) حضرت عائشہؓ کا یہ ارشاد یاد رکھنا آگے کام آئے گا۔ کیونکہ داشتہ آید بکار۔

الحاصل سورۃ النجم کی مذکورہ آیات اور ان کی تفسیر میں پیش کردہ احادیث اور عقائد حضرات صحابہ کرامؓ سے یہ بات پوری طرح واضح اور ثابت ہو چکی ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سفر جسمانی اور بیداری میں تھا۔ اور اسی واسطے مخالف آپ سے اس پر جھگڑا بھی کرتے تھے۔ اب آپ واقعۂ معراج کا خلاصہ سُن لیجئے۔ جو متعدد احادیث کو سامنے رکھ کر انتخاب کیا گیا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔ کہ میں حطیم میں لیٹا ہوا تھا۔ کہ تین فرشتے آئے اور مجھے بیدار کر کے میرا پیٹ چاک کیا گیا۔ اور میرا دل سونے کے تھال میں رکھ کر زمزم کے

پانی سے خوب دھو کر ایمان اور حکمت سے پُر کر کے سی دیا گیا۔ خچر سے چھوٹا اور گدھے سے بڑا ایک جانور جس کو بُراق کہتے ہیں۔ میری سواری کے لیے پیش کیا گیا، جہاں تک انسان کی نگاہ پہنچتی ہے وہاں تک اس کا ایک ہی قدم ہوتا ہے پھر مجھے بیت المقدس لے جایا گیا۔ براق اس حلقہ کے ساتھ باندھا گیا جہاں دوسرے حضرات انبیاء عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام اپنی سواریوں کو باندھا کرتے تھے۔ پھر میں مسجد میں داخل ہوا۔ اور تمام پیغمبروں کو خدا تعالیٰ نے وہاں میرے لیے جمع کر دیا تھا حضرت جبرائیلؑ کے ارشاد کے مطابق میں نے ان تمام کو امامت[۱] کرائی۔ اور دو رکعت نماز پڑھائی۔ پھر وہاں سے پہلے آسمان تک گئے، حضرت جبرائیلؑ نے دروازہ کھولنے کو کہا۔ دربان نے پوچھا کون ہے؟ کہا جبرائیل ہے، دربان نے کہا ساتھ کون ہے؟ فرمایا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم ہیں، پوچھا گیا، کیا اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق ان کو بلایا گیا ہے، حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا ہاں پہلے آسمان پر حضرت آدم علیہ السلام سے علیک سلیک اور ملاقات ہوئی۔ انہوں نے صالح نبی اور نیک بیٹے کے ساتھ تعبیر کرتے ہوئے آپ کی آؤ بھگت کی۔ وہاں سے دوسرے آسمان کے دروازہ سے سابق طریق سے اجازت طلب کرنے کے بعد پہنچے، وہاں حضرت عیسٰی اور حضرت یحیٰی علیہما السلام سے سلام کیا۔ انہوں نے نبی صالح اور الاخ الصالح سے خطاب کرتے ہوئے مرحبا کہی۔ پھر تیسرے آسمان کے دروازہ سے طریق مذکور کے ساتھ استیذان کیا گیا۔ وہاں حضرت یوسف علیہ السلام کو بطریق مذکور سلام کیا۔ اور ان کی حسین ترین صورت دیکھنے میں آئی۔ انہوں نے بھی بھائی صالح اور نبی صالح سے خوش آمدید کہی۔ پھر چوتھے آسمان پر اسی طرح اجازت کے بعد گئے۔ وہاں حضرت ادریس علیہ السلام تھے۔ جبرائیلؑ نے کہا، ان کو سلام کریں۔ میں نے سلام کیا۔ انہوں نے بھی دوسرے بزرگوں کی طرح مجھے مبارکباد دی۔ پھر وہاں سے پہلے کی طرح پانچویں آسمان پر اذن طلب

[۱] حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں کہ یہ امامت واپسی پر کرائی (تفسیر ابن کثیر صفحہ ۲۲ ج ۳)

کرنے کے بعد پہنچے۔ وہاں حضرت ہارون علیہ السّلام کو سلام کیا گیا۔ انہوں نے بھی مرحبا سے یاد کیا۔ پھر چھٹے آسمان پر گئے، وہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات اور آؤ بھگت ہوئی۔ جب ہم ان سے رخصت ہی ہوئے، تو ان کے رونے کی آواز آئی۔ پوچھا گیا اے موسیٰ علیہ السّلام کیوں روتے ہو۔ فرمایا کہ یہ نوجوان نبی میرے بعد دنیا میں آیا۔ اور اس کی امت میری امت سے کہیں زیادہ تعداد میں جنت میں داخل ہوگی۔ پھر ہم ساتویں آسمان پر گئے۔ وہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ میں نے ان سے سلام عرض کیا۔ انہوں نے ابن صالح اور نبی صالح کے الفاظ سے یاد کرتے ہوئے خوش آمدید کہی۔ پھر ان سے رخصت ہو کر سدرۃ المنتہیٰ مجھے لے جایا گیا۔ وہاں بیری کے پتے جو دیکھے تو ہاتھی کے کان کی مانند تھے۔ اور اس کا پھل قبیلہ ہجر کے مٹکوں کی طرح تھا۔ وہ مقام احکام خداوندی کے لیے ہیڈ کوارٹر کی مانند ہے۔ وہاں سے احکام اترتے اور چڑھتے ہیں۔ وہاں سونے کے پروانوں نے اس کو گھیرے میں لے رکھا تھا۔

، وہاں سے چار نہریں پھوٹتی ہیں۔ دو باطنی جو جنت میں جاتی ہیں اور دو ظاہری نیل اور فرات (یعنی نیل و فرات کا منبع حقیقۃً جنت میں ہے، اور یا یہ کہ جنت کی نہروں کی طرح یہ دنیا میں بہت ہی ہاضم اور شیریں ہیں (حاشیہ بخاری ص ۸۳۹ ج ۲) وہاں سے مجھے بیت المعمور کے پاس لے جایا گیا۔ جہاں ہر روز ستر ہزار فرشتے عبادت کے لیے آتے ہیں۔ پھر ان کو مدت العمر دوبارہ وہاں آنے کا موقع نہیں ملتا، مجھے وہاں تین پیالے پیش کئے گئے ایک دودھ کا دوسرا شراب کا، اور تیسرا شہد کا۔ میں نے دودھ کے پیالے کو قبول کر لیا، مجھے ارشاد ہوا کہ آپ نے حسن انتخاب میں کمال کر دیا، دودھ سے دین فطرت مراد ہے۔ اگر آپ شراب وغیرہ لے لیتے۔ تو آپ کی امت بہک جاتی۔ پھر مجھ پر پچاس نمازیں فرض کی گئیں، میں امنّا وصدّقنا کہتے ہوئے خوشی خوشی واپس آیا۔ جب موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ تو

انہوں نے سوال کیا کچھ انعام لائے ؟ میں نے کہا پچاس نمازیں۔ انہوں نے فرمایا۔ میں بنی اسرائیل پر پانچ سے کم نمازوں میں تجربہ کر چکا ہوں۔ آپ کی امت ان سے بھی خلقت میں ضعیف اور کمزور ہے۔ آپ اپنے رب سے تخفیف کا مطالبہ کریں۔ آپ فرماتے ہیں۔ میں پھر واپس گیا۔ اللہ تعالیٰ پانچ پانچ نمازیں میرے بار بار آنے جانے سے معاف کرتا رہا۔ حتیٰ کہ صرف پانچ نمازیں رہ گئیں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر بھی تخفیف کا مطالبہ پیش کرنے کو کہا۔ لیکن میں نے کہا، مجھے اب شرم آتی ہے اس لیے میں ان کو بطیب خاطر قبول کرتا ہوں، اتنے میں آواز آئی کہ ہمارے ہاں پہلے سے ہی یہی پانچ نمازیں طے ہو چکی تھیں، یعنی عمل کے لحاظ سے تو پانچ ہیں لیکن اجر و ثواب کے اعتبار سے پچاس ہیں کیونکہ ہر نیکی کا ادنیٰ بدلہ دس گنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملتا ہے۔ اور مجھے وہاں ایک تو پانچ نمازیں ملیں، دوسرے سورۂ بقرہ کی آخری آیات اور تیسرے یہ کہ آپ کی امت میں سے جو کوئی اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرے گا اس کی بخشش ہو گی۔ میں یہ نعمتیں اور خوشخبریاں لیکر صبح سے پہلے مکہ مکرمہ پہنچ گیا۔ جب یہ واقعہ مشرکین نے سنا تو ادھم مچا دیا۔

ہم نے متعدد روایات کو سامنے رکھ کر معراج کے اہم واقعات اور جزئیات کا ترجمہ پیش کر دیا۔ بعض ضروری اور قابلِ ذکر جزئیات کا ذکر عنقریب کر دیا جائے گا۔ مناسب معلوم ہوتا ہے۔ کہ ہم ان حضرات صحابہ کرامؓ کے اسما جن سے واقعہ معراج منقول ہے بحوالہ پیش کر دیں۔ اگرچہ ان کی روایات میں اجمال، تفصیل، تقدیم، تاخیر اور بعض اجزا کے حذف و اضافہ کا ضرور فرق ہے۔ لیکن ایسی لمبی روایت میں ایسا ہو جانا ناگزیر امر ہے۔ اور اس سے اصل واقعہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا، اب آپ ان حضرات صحابہ کرامؓ کے اسماء بمعہ حوالوں کے سن لیجیے۔

(۱) حضرت مالکؓ بن صعصعہ۔ بخاری ص ۵۴۸ ، مسلم ص ۹۳ ، ابو عوانہ ج ۱ ص ۱۱۶ ، نسائی ج ۱ ص ۵۰

(۲) حضرت انسؓ بن مالک بخاری ۲ صـ۱۱ ، مسلم ج ۱ صـ۹۱ ، ابوعوانہ صـ۱۲۶ ، نسائی صـ۵۲ ترمذی ۲ صـ۱۴۱ ، ابوداؤد ۲ صـ۲۱۲ ، مسند طیالسی صـ۲۷۴ (۳) حضرت ابوذر بخاری ۱ صـ۵۰ مسلم ۱ صـ۹۲ ابوعوانہ ۱ صـ۱۳۳ (۴) حضرت عبداللہؓ بن مسعود مسلم ۱ صـ۹۷ ، ابوعوانہ ج ۱ صـ۱۲۸ ، نسائی ۱ صـ۵۲ ، ابن ماجہ صـ۳۰۹ ، مستدرک ۴ صـ۴۸۸ (۵) حضرت ابوہریرہؓ بخاری ۲ صـ۶۸۴ ، مسلم ۱ صـ۹۶ ، ابوعوانہ ۱ صـ۱۳۱ ترمذی صـ۱۴۱ ، ابن ماجہ صـ۱۶۵ ، مشکوٰۃ صـ۵۲۹ (۶) حضرت جابرؓ بخاری ۱ صـ۵۴۸ مسلم ج ۱ صـ۹۶ ترمذی ۲ صـ۱۴۱ ، ابوعوانہ ۱ صـ۱۲۵ (۷) حضرت حذیفہؓ بن الیمانؓ مسند طیالسی صـ۵۵ مستدرک ۲ صـ۲۵۹ ، (۸) حضرت بریدہؓ ترمذی ج ۲ صـ۱۴۱ مستدرک ۲ صـ۳۶۰ (۹) حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ بخاری ۱ صـ۵۵ مسلم ۱ صـ۹۴ ، ترمذی ۲ صـ۱۴۱ ، مستدرک ۲ صـ۲۶۲ (۱۰) حضرت ابوسعید الخدریؓ تعلیقاً ترمذی ۲ صـ۱۴۱ والبدایہ والنہایہ ۳ صـ۱۰۹ ومسنداً خصائص الکبریٰ ۱ صـ۱۶۷ (۱۱) حضرت عائشہؓ کی ایک حدیث بحوالہ مسلم پہلے بھی عرض ہو چکی ہے ۔ (۱۲) حضرت ابوبکرؓ بن محمد بن عمرو بن حزم نسائی ۱ صـ۵۲ ، خصائص الکبریٰ ۱ صـ۱۶۷ (۱۳) حضرت شدادؓ بن اوس تفسیر ابن کثیر ۵ صـ۱۲۶ مع المعالم شفا قاضی عیاض صـ۸۷ ، خصائص الکبریٰ ۱ صـ۱۵۸ (وقال البیہقیؒ اسنادہ صحیح) (۱۴) حضرت سعدؓ بن ابی وقاص مستدرک ۳ صـ۱۵۶ (۱۵) حضرت ابیؓ بن کعب (۱۶) حضرت سمرہؓ بن جندب (۱۷) حضرت صہیبؓ بن سنان (۱۸) حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ (۱۹) حضرت عبداللہؓ بن عمروؓ بن العاص (۲۰) حضرت عبداللہ بن اسعد بن زرارہ (۲۱) حضرت عبدالرحمٰنؓ بن قرط الثمالی (۲۲) حضرت عمرؓ بن الخطاب (۲۳) حضرت ابوایوب انصاریؓ (۲۴) حضرت ابوالحمراءؓ (۲۵) حضرت ابوحبہ انصاریؓ (۲۶) حضرت ابوسفیانؓ بن حرب (۲۷) حضرت ابولیلیٰ انصاریؓ (۲۸) حضرت اسماءؓ بنت ابی بکرؓ (۲۹) حضرت ام ہانیؓ (۳۰) حضرت علیؓ (۳۱) حضرت ابوامامہؓ (۳۲) حضرت سہیلؓ بن سعدؓ (۳۳) حضرت ام سلمہؓ ۔ ان تمام

اکابر کی روایات خصائص الکبریٰ ا صـــ۱۶۵ تا صـــ۱۷۹ وغیرہ میں ملاحظہ فرمائیں۔

علامہ زرقانیؒ لکھتے ہیں۔ کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی معراج کی حدیثیں پینتالیس صحابہ کرامؓ سے مروی ہیں (زرقانی شرح مواہب ا صـــ۲۵۵)

آپ کو معلوم ہوگا۔ کہ ہر صدی پر مجدّد کے آنے کی حدیث صرف حضرت ابوہریرہؓ سے اور پھر فقط ابوداؤد میں آتی ہے۔ صحاح ستہ کی اور کسی کتاب میں نہیں ہے۔ جس پر مرزا صاحب نے اپنی مجددیت کی تعمیر کی ہے۔ اور معراج کی حدیث مختلف طرق سے کم از کم ۴۵ حضرات صحابہ کرامؓ سے مروی ہے۔ اور پھر خاص کر حدیث کے طبقہ اولیٰ بخاری و مسلم وغیرہ میں جن کے متعلق مرزا صاحب کا اقرار ہے کہ "اگر میں بخاری اور مسلم کی صحت کا قائل نہ ہوتا۔ تو میں اپنی تائید دعویٰ میں کیوں بار بار ان کو پیش کرتا" (ازالہ اوہام صـــ۸۸۴)

آپ نے ہمارے استدلال کا معیار تو دیکھ لیا۔ اب ذرا مرزا صاحب کا معیار بھی ملاحظہ فرمایئے۔ مرزا صاحب اپنے مسیح موعود ہونے پر یوں استدلال کرتے ہیں۔ کہ کریم بخش روایت کرتے ہیں کہ گلاب شاہ مجذوب نے تیس برس پہلے مجھ کو یہ کہا تھا۔ کہ عیسیٰ اب جوان ہو گیا ہے۔ اور لدھیانہ میں آکر قرآن کی غلطیاں نکالے گا۔ (ازالہ اوہام صـــ۷۰۸) گویا کریم بخش اور مجذوب گلاب شاہ کی بات تو مرزا صاحب کے لیے قابلِ حجت ہے۔ مگر حضرات صحابہ کرامؓ کی ایک کثیر تعداد کی روایات قابلِ قبول نہیں۔ پھر مزید لطف یہ ہے۔ کہ کریم بخش کی تعدیل بہت سے گواہوں سے کی گئی ہے جن میں خیراتی، لوٹا، کنہیالال، مراری لال، روشن لال اور کنہیا مل وغیرہ ہیں۔ اور ان کی گواہی یہ کہ کریم بخش کا کوئی جھوٹ کبھی ثابت نہ ہوا۔

آپ پڑھ چکے کہ حدیث معراج بہت سے حضرات صحابہ کرامؓ سے مروی ہے۔ اس کے تواتر معنوی و [illegible] کا انکار تو شاید کوئی مسلوب العقل اور اندھا ہی کریگا۔ علاوہ بریں مرزا صاحب لکھتے ہیں:

النصوص تحمل علیٰ ظواھرھا (ازالہ اوھام ص۵۴۰) کہ نصوص کو ظاہر معنی پر ہی حمل کیا جائے گا۔ یعنی بلاوجہ تاویل وغیرہ سے کام نہ لیا جائے گا۔ اور حدیث معراج کا ایک ایک لفظ معراج جسمانی ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ مرزا صاحب لکھتے ہیں ؎

کیوں چھوڑتے ہو لوگو نبی کی حدیث کو
جو چھوڑتا ہے چھوڑ دو تم اس خبیث کو

(ضمیمہ تحفہ گولڑویہ ص۲۷)

اور یہ مضمون مرزا صاحب نے اپنی طرف سے نہیں کہا۔ کیونکہ وہ فرماتے ہیں "میں بغیر خدا کے بلائے بول نہیں سکتا" (حقیقۃ الوحی ص۲۷۸) تو لابدی ہے۔ کہ یہ بھی الہام خداوندی ہوگا۔ اب دیکھیئے مرزا صاحب کے امتی قرآن کریم اور حدیث شریف پر اگر یقین نہیں رکھتے، تو کیا مرزا صاحب کی بات مانتے ہیں یا نہیں ع

نبی اپنا اپنا امام اپنا اپنا

ہم تو قرآن کریم کی نصوص صریحہ اور احادیث صحیحہ اور امت کے اجماع و اتفاق کے پیش نظر اس امر پر یقین کامل رکھتے ہیں کہ مالک الملک نے جناب امام الانبیاء خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو بیداری کی حالت میں صرف ایک ہی رات میں جسم عنصری کے ساتھ مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک اور وہاں سے آسمان اوّل پھر دوم حتیٰ کہ آسمان ہفتم تک اور جنت وغیرہ تک۔ غرضیکہ جہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کو منظور تھا۔ سیر کرائی۔ اگر مرزا صاحب اور ان کے اتباع کو اس کا یقین ہو تو فبہا ورنہ وہ جانیں اور ان کا عقیدہ اور نظریہ ہم تو پروردگار عالم اور آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے صریح حکم پر اعتقاد اور ایمان رکھتے ہیں۔ اور کسی مومن کو بھلا یہ زیبا بھی کب ہے۔ کہ کلمہ پڑھنے کے بعد اپنی مرضی سے زندگی بسر کرے، یا من مانے

عقیدوں پر یقین رکھ کر فلاح اخروی کا مستحق ہو اور سب سے اہم بات ہی فلاح اُخروی ہے مگر افسوس کہ اس کی فکر اب ہے کہاں؟ اِلَّا ماشاء اللہ ؎

معلوم یہ ہوتا ہے وہی زیست تھی اپنی
جو چیز کہ اب تیری نگاہوں میں نہیں ہے

قارئین کرام! آپ نے قرآن کریم اور اس کے بعد متواتر اور صریح احادیث پڑھ لی ہیں جن سے درجۂ یقین تک یہ بات پہنچ جاتی ہے کہ امام الانبیاء خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو جو اسراء و معراج کرائی گئی ہے وہ جسم اطہر کے ساتھ اور بیداری کی حالت میں تھی جو کم فہم اور کج بحث لوگ اس کو خواب یا کشف وغیرہ پر محمول کرتے ہیں ان کے ہاتھ میں قطعاً کوئی ٹھوس اور قابلِ تسلیم دلیل اور برہان موجود نہیں ہے محض عقلی ڈھکوسلے اور اپنے نارسا ذہن کی پیدا کردہ برائے نام دلیلیں یا نرے شبہات ہیں، کون مسلمان قطعیات کو چھوڑ کر محض اوہام اور ظنون کو تسلیم کرتا ہے؟ اور کون غیور مسلمان اس پر آمادہ ہو سکتا ہے کہ قرآن کریم صحیح احادیث اور امت مسلمہ کے اجماع و اتفاق سے کنارہ کشی کر کے گمراہوں کی جھولی میں جا پڑے اور اس غلط انتخاب کی وجہ سے دنیا اور آخرت کے خسارہ میں مبتلا ہو اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو باطل فرقوں اور غلط عقیدوں سے محفوظ رکھے خصوصاً مرزا غلام احمد صاحب قادیانی اور ان کی مجددیت تسلیم کرنے والی لاہوری پارٹی سے جو متعدد قطعی نصوص کی محرّف اور ماوّل ہے۔ آمین ثم آمین ؎

خدا محفوظ رکھے ہر بلا سے
خصوصاً آج کل کے ابنیاء سے

تیسرا باب

قرآن کریم اور صحیح احادیث سے باحوالہ معراج جسمانی کا ثبوت پہلے گذر چکا ہے اب معراج جسمانی کے متعلق جمہور اہل اسلام کا عقیدہ سُن لیجئے۔

حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں۔ کہ اکثر علماء کرام اور جمہور سلف وخلف کا اس بات پر اتفاق ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو حالت بیداری میں جسم عنصری کے ساتھ معراج کرائی گئی نہ کہ نیند میں۔ (تفسیر ج ۲ ص ۲۳ اور البدایہ والنہایہ ۳ ص ۱۱۲) علامہ بغویؒ لکھتے ہیں۔ کہ اکثر کا مذہب یہی ہے۔ کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو حالت بیداری میں اپنے جسم اطہر کے ساتھ معراج کرائی گئی۔ اس پر بے شمار صحیح حدیثیں موجود ہیں (معالم ۵ ص ۱۰۷ مع ابن کثیر)

علامہ عینیؒ اور حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں۔ کہ اسراء اور معراج ایک ہی رات میں بیداری کی حالت میں جسم اطہر کے ساتھ واقع ہوئی جب کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت اور رسالت مل چکی تھی۔ یہی جمہور محدثین، فقہاء اور متکلمین کا مذہب ہے۔ اور اس عقیدہ کی دلیل میں متعدد صحیح اور ظاہر المعنیٰ حدیثیں موجود ہیں۔ (عمدۃ القاری ۸ ص ۹۰ اور فتح الباری ص ۱۷۰ ج ۷)

علامہ سید محمود آلوسیؒ لکھتے ہیں۔ کہ اکثر علماء اس کے قائل ہیں کہ اسراء اور معراج دونوں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو حالت بیداری میں جسم عنصری کے ساتھ کرائی گئی تھیں۔ (روح المعانی ج ۵ ا ص ۸) امام نوویؒ لکھتے ہیں کہ حق بات تو یہی ہے۔ جس پر جمہور سلف اور متکلمین متفق ہیں۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو حالت بیداری میں جسم مبارک کے ساتھ معراج کرائی گئی۔ اور یہ واقعہ نبوّت کے بعد کا ہے۔ کیونکہ اس پر اجماع ہے کہ نمازیں معراج کی رات فرض کی گئیں تھیں۔ اور نماز کی فرضیت نبوّت کے بعد ہوئی تھی (نووی شرح مسلم ص ۹۱ ج ۱)

علامہ زرقانی لکھتے ہیں۔ کہ یہی جمہور محدثین متکلمین اور فقہاء کرام کا مذہب اور عقیدہ ہے
(زرقانی شرح مواہب ج ۱ ص ۳۵۵)

امام قاضی عیاضؒ جمہور کا مذہب بتلاتے ہوئے بعض کا نام بھی لکھتے ہیں۔ کہ یہی عقیدہ حضرت ابن عباسؓ، حضرت جابرؓ، حضرت انسؓ، حضرت حذیفہؓ، حضرت عمرؓ، حضرت ابوہریرہؓ، حضرت مالکؓ بن صعصعہ، حضرت ابوحبہ بدریؓ، حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت عائشہؓ کا مختار مذہب ہے۔ اور یہی ضحاکؒ، سعیدؒ بن جبیرؒ، قتادہؒ، سعیدؒ بن المسیبؒ، اور ابن شہابؒ، ابن زیدؒ، حسن بصریؒ، ابراہیم نخعیؒ، مسروقؒ، مجاہدؒ، عکرمہؒ، ابن جریجؒ، امام طبریؒ، امام احمدؒ بن حنبلؒ، اور جمہور محدثین متکلمین، اور مفسرین کا عقیدہ اور مذہب ہے۔ (شفا قاضی عیاضؒ ص ۸۶)

راقم کہتا ہے کہ کسی صحابی اور تابعی بلکہ کسی معتبر امام اور محدث سے صحیح سند اور صریح الفاظ کے ساتھ معراج جسمانی کا انکار ثابت نہیں ہوسکتا ایڑی چوٹی کا زور لگا کر بھی اگر ثابت کیا جائے، تو محال ہے۔ اگر کسی میں ہمت ہے، تو میدان میں آئے فَهَلْ مِنْ مُبَارِزٍ۔ جن اکابر سے اس کے خلاف منقول ہے، اس کا جواب عنقریب آرہا ہے۔ ان شاء اللہ۔

جب یہ ثابت ہوگیا۔ کہ جمہور سلف و خلف کا یہی مذہب ہے، تو مرزا صاحب کی بھی سنیئے کہ سلف خلف کے لیے بطور وکیل کے ہیں۔ اور ان کی شہادت آنے والی ذریت کو ماننا پڑتی ہے
(ازالہ اوہام ص ۳۷۲)

اب ہم مرزا صاحب کی اپنی تحریرات پیش کرتے ہیں، شاید کہ ان کے ماننے والوں کے لیے یہ عبارات سوہان روح ثابت ہوسکیں، ملاحظہ کریں، مرزا صاحب لکھتے ہیں۔

۱۔ کیونکہ یہ یقینی امر ہے۔ کہ قرآن کریم کی یہ آیت کہ سبحان الذی اسریٰ بعبدہ الآیتہ معراج مکانی اور زمانی دونوں پر مشتمل ہے، اور بغیر اس کے معراج ناقص رہتا ہے۔ جیسا کہ

سیر مکانی کے لحاظ سے خدا تعالٰے نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد حرام سے بیت المقدس پہنچا دیا تھا، ایسا ہی سیر زمانی کے لحاظ سے۔ (اشتہار چندہ منارۃ المسیح مدیح)

ظاہر بات ہے کہ یہ پہنچا دینا جسم عنصری کے لیے تو کمال ہے مگر محض خواب میں پہنچا دینا کوئی نرالی بات نہیں ہے۔

۲۔ نیز مرزا صاحب لکھتے ہیں:۔

ان معراج نبینا کما کان مکانیا کذالک کان زمانیا ولا ینکرہ الا الذی فقد بصرہٗ وما رمن العمین (خطبہ الہامیہ ص۱۹۹)	ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج جس طرح مکانی تھی۔ اسی طرح زمانی بھی تھی۔ اور اس کا انکار صرف وہی کر سکتا ہے، جو دیدۂ بصیرت سے محروم ہے۔

۳۔ ایک دوسری کتاب میں لکھتے ہیں کہ:۔

فقد عرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بجسمہٖ الی السماءؔ یقظان لاشك فیہ ولا ریب (حمامۃ البشرٰی ص۲۴)	جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جسم کے ساتھ اور بیداری میں معراج میں آسمان تک اٹھایا اور لیجایا گیا، اس میں کوئی شک اور شبہ نہیں ہے۔

اس عبارت کے آگے حضرت عائشہؓ وغیرہا کا حوالہ اس کے خلاف بھی دیتے ہیں۔ ہم اس کی بحث آئندہ عرض کریں گے انشاء اللہ۔

۴۔ نیز مرزا صاحب لکھتے ہیں کہ:۔

مگر باوجودیکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رفع جسمی کے بارے میں یعنی اس بارہ میں کہ وہ جسم کے ساتھ شب معراج میں آسمان کی طرف اٹھائے گئے تھے۔ تقریباً تمام صحابہ کرامؓ

کا یہی اعتقاد تھا۔ جیسا کہ مسیح کے اٹھائے جانے کی نسبت اس زمانہ کے لوگ اعتقاد رکھتے ہیں یعنی جسم کے ساتھ اٹھائے جانا۔ اور پھر جسم کے ساتھ اترنا۔ لیکن پھر بھی حضرت عائشہؓ اس بات کو تسلیم نہیں کرتیں اور کہتی ہیں کہ وہ ایک رؤیا صالحہ تھی۔ اور کسی نے حضرت عائشہ صدیقہؓ کا نام نعوذ باللہ ملحدہ یا ضالہ نہیں رکھا۔ اور نہ اجماع کے برخلاف بات کرنے سے ان پر ٹوٹ کر پڑ گئے۔ اب اے منصفو اے حق کے طالبو اے خدا تعالےٰ سے ڈرنے والے بندو۔ اس مقام میں ذرا ٹھہر جاؤ۔ اور آہستگی اور تدبر سے خوب غور کرو۔ کہ کیا ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا آسمان پر جسم کے ساتھ چڑھ جانا اور پھر جسم کے ساتھ اترنا ایسا عقیدہ نہیں جس پر صدر اوّل کا اجماع تھا۔ (ازالہ اوہام ۳۰۶)

ان تحریرات سے معلوم ہوا کہ فی نفسہٖ مرزا صاحب کو بھی یقین تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حالتِ بیداری میں جسم عنصری کے ساتھ مکانی اور زمانی دونوں کی طرح کی معراج کرائی گئی۔ اور اسی عقیدہ پر تقریباً تمام حضرات صحابہ کرامؓ کا اور صدر اوّل کا اجماع تھا۔

اب یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ جماعت صحابہؓ کا اجماع کس پوزیشن کا ہوتا ہے سو اس کا جواب خود مرزا صاحب ہی سے سن لیجئے۔

۱۔ اور صحابہ کرامؓ کا اجماع حجت ہے جو کبھی ضلالت پر نہیں ہوتا۔ (تریاق القلوب صفحہ ۱۴۷)

۲۔ فان المراد من الاجماع اجماع الصحابہؓ (اتمام الحجہ صفحہ ۵) اجماع سے تو صحابہ کرامؓ کا اجماع ہی مراد ہے۔

۳۔ یہ مسلّم امر ہے کہ ایک صحابی کی رائے شرعی حجت نہیں ہو سکتی۔ شرعی حجت صرف اجماع صحابہؓ ہے۔ (ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ ۲۲۳)

مرزا صاحب کی ان تحریرات سے معلوم ہوا کہ حضرات صحابہ کرامؓ کا اجماع حجت شرعی ہے۔

کیونکہ ان کا اجماع کبھی بھی گمراہی پر نہیں ہو سکتا۔ البتہ رائے صحابی حجت نہیں۔ اس لیے حضرت عائشہؓ کی رائے تو حجت نہیں، ہاں اجماع صحابہؓ حجت ہے۔ ممکن ہے کوئی صاحب کہہ دے کہ اگرچہ حضرات صحابہ کرامؓ کا اپنی تحقیقات اور معلومات کی بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معراج جسمانی پر اجماع ہو چکا تھا لیکن اگر کسی وقت سائنس کی جدید تحقیقات اور نئے فلسفہ کے زور میں آکر اس کے خلاف اجماع ہو جائے تو کیا خرابی ہے؟ اور ایسا کیوں نہیں ہو سکتا؟ لیکن کیا کیا جائے کہ خود مرزا صاحب ہی اس کی بھی ناکہ بندی کر چکے ہیں۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ:۔

جو شخص بعد صحابہ کرامؓ کسی مسئلہ میں اجماع کا دعوےٰ کرے وہ کذّاب ہے۔ (حقیقۃ الوحی صا۱)

اب کسی کو کیا مصیبت پڑی ہے۔ کہ قرآن کریم، حدیث شریف اور اجماع صحابہ کرامؓ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے کذاب بنے؟ اور سلف سے روگردانی کرے، جو خلف کے لیے بطور وکیل کے تھے۔

قد یصدق الکذوب کے قاعدہ کے پیش نظر مرزا صاحب کا یہ ارشاد بالکل بجا اور صحیح ہے۔ کہ حضرات صحابہ کرامؓ کے بعد اجماع کا دعوےٰ کرنے والا کذاب ہے اس کا مطلب اس کے بغیر اور کیا ہو سکتا ہے۔ کہ جس مسئلہ پر قرآن کریم کی نصوص قطعیہ موجود ہوں۔ اور متواتر حدیثیں بھی موجود ہوں اور لطف یہ ہے کہ اس پر حضرات صحابہ کرامؓ کا اتفاق واجماع بھی قائم ہو چکا ہو۔ اور سلف صالحین کا بھی یہی عقیدہ اور مسلک ہو تو اب اس کے خلاف کوئی متوازی اور متصادم عقیدہ اور نظریہ قائم کرنا کون سا ایمان ہے؟ اور اس میں فوز و فلاح کی کون سی صورت مضمر ہو سکتی ہے؟ ممکن ہے اس نظریہ کے بعد وہ اس نتیجہ پر پہنچیں کہ ع

نگاہِ شوخ اب کچھ نرگسیں معلوم ہوتی ہے

چوتھا باب

ہم نے معراج جسمانی کے اثبات پر جو دلائل ہدیہ ناظرین کرام کئے ہیں۔ ان کی موجودگی میں کسی اور دلیل کی ضرورت تو محسوس نہیں ہوتی۔ البتہ ہم چاہتے ہیں۔ کہ مسئلہ کا ہر پہلو واضح سے واضح تر ہو جائے۔ اس لیے چند احادیث پیش کرنا قرین قیاس معلوم ہوتا ہے۔ ملاحظہ فرمایئے۔

۱۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں حطیم میں تھا۔ کہ معراج جسمانی کا واقعہ سن کر مشرکین ہر طرف سے اُمڈ آئے۔ اور انہوں نے مجھ سے بیت المقدس کی کچھ نشانیاں اور علامتیں پوچھیں مجھے وہ نشانیاں معلوم نہ تھیں۔ مجھے اس وقت اتنی پریشانی لاحق ہوئی۔ کہ زندگی بھر کبھی ایسی پریشانی لاحق نہ ہوئی تھی۔ اتنے میں حق تعالے نے اپنے خاص فضل و کرم سے بیت المقدس کا نقشہ میرے سامنے پیش کر دیا۔ مخالف مجھ سے جو علامت پوچھتے جاتے میں دیکھ کر بتلاتا جاتا تھا۔

(بخاری صفحہ ۵۴۸ ج ۱، مسلم صفحہ ۹۶ ج ۱، صحیح ابو عوانہ صفحہ ۱۲۱ ج ۱)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ مشرکین کو یہی بات ذہن نشین کرائی گئی تھی۔ کہ آپ کو حالت بیداری میں معراج کرائی گئی ہے۔ اور اس پر تعجب کرتے ہوئے مشرکین نے سوالات کی بوچھاڑ شروع کر دی۔ اگر یہ معاملہ خواب یا کشف کا ہوتا تو مشرکین کو امتحان لینے کی ضرورت

ہی محسوس نہ ہوتی۔ بلکہ جو کچھ سنا تھا، اس پر صاد کرتے اور اسی کو غنیمت سمجھ لیتے۔

۲۔ حضرت عائشہ رضؓ فرماتی ہیں۔ کہ جس رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیت المقدس جاکر واپس تشریف لائے۔ اسی کی صبح کو آپ نے وہ واقعہ لوگوں سے بیان فرمایا۔ جس سے کچھ لوگ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاکر ہر طرح کی تصدیق کر چکے تھے۔ مرتد ہو گئے۔ پھر کفار حضرت ابوبکر رضؓ کے پاس گئے اور کہنے لگے۔ کیا اب بھی تم اپنے رفیق یعنی جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرو گے۔ لیجئے وہ تو یہ کہتے ہیں کہ آج رات وہ بیت المقدس جاکر واپس بھی آگئے ہیں۔ حضرت ابوبکر رضؓ نے کہا۔ کیا واقعی حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا فرمایا ہے؟ وہ کہنے لگے۔ ہاں حضرت ابوبکر رضؓ نے فرمایا۔ تو میں اس کو مانتا ہوں۔ لوگوں نے کہا اے ابوبکر رضؓ کیا تم اس کی تصدیق کرتے ہو۔ کہ وہ ایک ہی رات میں بیت المقدس وغیرہ تک گئے۔ اور صبح سے پہلے پھر واپس بھی آگئے حضرت ابوبکر رضؓ نے کہا۔ ہاں! میں تو بیت المقدس سے دُور کی باتوں کی تصدیق کرتا ہوں۔ یعنی جو صبح و شام آسمان کی خبریں بیان فرماتے ہیں ان کو میں صحیح اور حق جانتا ہوں۔ حضرت عائشہ رضؓ فرماتی ہیں۔ کہ اسی وجہ سے حضرت ابوبکر رضؓ کا نام صدیق رکھا گیا۔ (مستدرک ج ۳ ص ۶۲ قال الحاکمؒ والذہبیؒ صحیح)

اس روایت سے ایک تو یہ بات معلوم ہوئی۔ کہ مشرکین یہی سمجھے تھے اور ان کے ذہن نشین بھی یہی کرایا گیا تھا۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حالتِ بیداری میں بیت المقدس جاکر واپس تشریف لائے ہیں جن کی قسمت میں ایمان نہ تھا۔ وہ کلمہ پڑھنے کے بعد بھی شکوک اور شبہات میں مبتلا ہو کر مرتد ہو گئے اور حضرت ابوبکر رضؓ کو صدیق کا لقب عطا ہوا۔ اگر یہ معاملہ خواب کا ہوتا تو لوگوں کے مرتد ہونے کی کوئی وجہ نہ تھی؟ اور خواب کا معاملہ کون سا بڑا کارنامہ تھا۔ کہ حضرت ابوبکر رضؓ صدیق کہلائے؟ اور دوسری یہ بات ثابت ہوئی۔ کہ حضرت عائشہ رضؓ بھی معراج جسمانی

کی قائل تھیں۔ ورنہ اس کی تصریح فرمادیتیں۔ کہ یہ کفار نے بہتان باندھا ہے۔ وہ تو ایک خواب تھا۔ حضرت عائشہؓ کی ایک روایت ہم پہلے عرض کر چکے ہیں اور دوسری روایت یہ ہے۔ اور یہ دونوں اپنے مفہوم میں بالکل واضح ہیں۔

۳۔ حضرت ام ہانیؓ سے روایت ہے۔ کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے واقعۂ معراج جب اہل مکہ کو سنایا۔ تو مطعم نے کہا۔ کہ اب تک آپ کا معاملہ ٹھیک تھا۔ سوائے اس بات کے جو آپ کہہ رہے ہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ تم جھوٹے ہو۔ (العیاذ باللہ) ہم تو اگر بڑی تیزی سے بھی اونٹوں کو چلائیں۔ تو کہیں دو مہینوں کے بعد بیت المقدس جا کر پھر وہاں سے واپس آ سکتے ہیں اور تم کہتے ہو کہ میں ایک رات میں جا کر واپس آگیا۔ لات اور عزّیٰ کی قسم ہے۔ میں تو ہرگز نہ مانوں گا (تفسیر ابن کثیر ج ۵ ص ۱۲۶ مع المعالم، فتح الباری ج ۷ ص ۱۵۱ البدایہ والنہایہ ج ۳ ص ۱۱۱ الخصائص الکبریٰ ج ۱ ص ۱۷۸)۔

اس روایت سے بھی معلوم ہوا۔ کہ مطعم وغیرہ کو یہی سمجھایا گیا تھا۔ کہ آپ کو حالت بیداری میں معراج کرائی گئی ہے۔ اور یہ چیز اس کی سمجھ میں نہیں آسکتی تھی۔ اس لیے اس نے آپؐ کو معاذ اللہ جھوٹا بھی کہا۔ اور قسم کھا کر پُر زور الفاظ میں آپؐ کی مخالفت بھی کی۔

۴۔ حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ فرماتے ہیں۔ کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیت المقدس وغیرہ سے تشریف لائے۔ تو حضرت ام ہانیؓ کو فرمانے لگے۔ مجھے یقین ہے، کہ اس واقعہ میں لوگ میری ضرور تکذیب کریں گے۔ اسی خیال سے غمگین ہو کر بیٹھ گئے، ابوجہل نے جب یہ واقعہ سُنا۔ تو آپ کے پاس آیا اور کہنے لگا کیا آپ رات بھر میں بیت المقدس جا کر صبح پھر، ہم لوگوں میں واپس آگئے؟ آپ نے فرمایا، ہاں، ابوجہل نے لوگوں کو بلایا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہنے لگا۔ ذرا ان کو بھی وہ واقعہ سُنا دیں۔ جو مجھ کو سُنا رہے تھے۔ آپ نے واقعہ سنایا۔ لوگوں نے کہا۔ کیا بیت المقدس سے آپ کی مراد ایلیاؔ ہے؟ فرمایا

ہاں، یہ سنتے ہی لوگوں کی یہ کیفیت ہوگئی، کہ کوئی تالیاں بجانے لگا اور کسی نے تعجب سے سر پر ہاتھ رکھ لیا
(تفسیر ابن کثیر ج ۵ صفحہ ۱۲۸ مسند احمد ج۱ ص۳۰۹ وخصائص الکبریٰ ج۱ ص۱۶۱ لسند صحیح)

اس روایت کا ایک ایک لفظ پکار پکار کر کہہ رہا ہے، کہ یہ واقعہ جسم عنصری اور بیداری کا تھا۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم اس واقعہ کے بیان کرنے پر مامور نہ ہوتے تو شاید آپ کفار کی تکذیب کے ڈر سے (العیاذ باللہ) اس کو بیان ہی نہ فرماتے۔ اور اگر یہ واقعہ خواب کا ہوتا۔ تو ابوجہل وغیرہ کو مجمع اکٹھا کرنے اور واقعہ سن کر تعجب کرنے اور تالیاں بجانے کی ضرورت ہی پیش نہ آتی، کیونکہ خواب کے بارے میں اتنا ہنگامہ برپا کرنے کا کوئی مطلب ہی نہیں ہو سکتا۔

۵۔ حضرت شداد بن اوس سے روایت ہے۔ کہ مکہ مکرمہ سے ایک قافلہ بغرضِ تجارت شام کو گیا تھا۔ اور وہ واپس آرہا تھا۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے براق پر سوار ہوکر جاتے وقت انکو سلام کیا۔ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی آواز پہچان لی اور سن لی۔ اور جب واپس مکہ آئے، تو اُس بات کی گواہی بھی دی، نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے مکہ مکرمہ واپس ہوکر اس قافلہ کی ایک ایک علامت بھی لوگوں کو بتائی تھی۔ اور جب قافلہ آیا تو انہوں نے اس کی تائید بھی کی تھی۔ اسی حدیث میں یہ ناقابلِ فراموش مضمون بھی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ۔

فاتانی ابوبکرؓ فقال یارسول اللہ این کنت اللیلۃ قد التمستک فی مکانک (شفاءص۸۷ تفسیر ابن کثیر ج۵ ص۱۲۶ وخصائص الکبریٰ ج۱ ص۱۵۸)

کہ صبح کے وقت ابوبکرؓ میرے پاس آئے اور کہنے لگے۔ حضرت آپ رات کہاں تھے؟ میں نے آپ کو آپ کے مکان پر تلاش بھی کیا۔

اس کے بعد آپ نے معراج کا مفصل واقعہ بیان فرمایا۔ امام بیہقیؒ فرماتے ہیں۔

ھٰذا اسناد صحیح۔ کہ اس کی سند صحیح ہے۔ اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ قافلہ والوں کو پہچان کر آپ کا سلام کہنا، اور ان کا آپ کی آواز کو پہچاننا۔ اور پھر مکہ مکرّمہ واپس ہو کر قافلہ کی علامتیں بتلانا اور ان کا اہل مکہ کو اس کی شہادت دینا۔ نیز حضرت ابوبکر صدیقؓ کا رات کے وقت آپ کو مکان پر تلاش کرنا۔ اور آپ کا وہاں موجود نہ رہنا۔ ان میں سے ایک ایک بات اس کو متعین کر رہی ہے۔ کہ یہ واقعہ خواب اور کشف کا ہرگز نہ تھا۔ بلکہ جسم عنصری کے ساتھ حالت بیداری کا تھا۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ قرآن کریم کی پیش کردہ آیات اور مذکورۃ الصدر صحیح اور متواتر احادیث اور اجماع حضرات صحابہ کرامؓ اور سلف و خلف کا اتفاق اور خود مرزا صاحب کی تحریرات اس بات پر شاہد عدل ہیں۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معراج کا واقعہ کوئی روحانی اور کشفی امر نہ تھا۔ بلکہ حالت بیداری میں جسم مبارک کا ایک بیّنؔ اور روشن واقعہ تھا۔ اور یہی مسلمانوں کا عقیدہ ہے، جس پر نسلاً بعد نسلٍ اور کابراً بعد کابرٍ تمام مسلمان متفق رہے ہیں۔ اور کوئی فرسودہ اور نیا اور پرانا فلسفہ ان کے ذہن سے اس کو نہیں نکال سکا۔

ایک طرف یہ دلائل ملاحظہ کریں اور دوسری طرف زمانہ حال کے منکر حدیث چودھری غلام احمد صاحب پرویزؔ کا عقیدہ اور نظریہ بھی ملاحظہ کریں وہ لکھتے ہیں کہ۔

" اگر آج سائنس کی کوئی ایجاد اس کا امکان بھی پیدا کر دے کہ کوئی شخص روشنی کی رفتار سے مریخ یا چاند کے کرہ تک پہنچ جائے اور پھر چند ثانیوں میں واپس بھی لوٹ آئے تو میں پھر بھی حضور کے معراج جسمانی کو نہیں تسلیم کروں گا۔ اس لیے کہ میرے دعوے کی بنیاد ہی دوسری ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ جسمانی معراج سے یہ تصور کرنا لازم آتا ہے۔ کہ خدا کسی خاص مقام پر موجود ہے اور میرے نزدیک خدا کے متعلق یہ تصوّر قرآن کی بنیادی تعلیم کے خلاف ہے"

بلفظہٖ (معارف القرآن ج۲ ص۴۴) دیکھا آپ نے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے اسراء اور معراج جسمانی کا عقیدہ جو قرآن کریم متواتر درجہ کی حدیثوں اور امت کے اجماع و اتفاق سے ثابت ہے۔ پرویز صاحب اس کو تسلیم کرنے کے لیے سرے سے آمادہ ہی نہیں ہیں۔ پرویز صاحب ہی بتائیں کہ کیا قرآن کریم میں اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى (یہ الگ امر ہے کہ جیسا کہ اس کی شان کے مناسب اور لائق استوار ہے وہی ہو گا) وَاِلَیْہِ یَصْعَدُ الْکَلِمُ الطَّیِّبُ اور وَرَافِعُکَ اِلَیَّ اور بَلْ رَّفَعَہُ اللّٰہُ اِلَیْہِ۔ وغیرہا آیات موجود ہیں یا نہیں؟ اور کیا ان سے یہ تصور لازم نہیں آتا کہ خدا تعالیٰ کسی مخصوص مقام میں ہے؟ یا آپ ان کے بھی منکر ہیں؟ اور اگر ان کی کوئی صحیح تفسیر یا تاویل آپ کے ذہن نارسا میں موجود ہے، تو معراج کے واقعہ میں آپ کو کیوں سانپ سونگ جاتا ہے؟ چلیے اگر آپ کو معراج کا واقعہ سمجھ میں نہیں آتا اور آپ کا مغربیت زدہ اور ماؤف ذہن اس کو قبول نہیں کرتا تو واقعہ اسراء جو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک ایک ہی رات میں پیش آیا تھا۔ اس کو تو تسلیم کر لیتے، یا آپ کے نزدیک اس سے بھی مسجد اقصیٰ اللہ تعالیٰ کا رہائشی مکان ثابت ہوتا ہے؟ العیاذ باللہ سچ کہا گیا ہے۔ کہ خوئے بد را بہانہ ہائے بسیار۔ اصل بات تو صرف اتنی ہے کہ جملہ منکرین حدیث معراج وغیرہ معجزات کے قائل نہیں ہیں۔ مگر پہلے جسد عنصری کے ساتھ آسمان پر جانا خلافِ عقل سمجھا جاتا تھا۔ اس پر ایک عرصہ تک ان کی طرف سے یہ دلیل پیش ہوتی رہی۔ مگر آج جب کہ سائنس کی نئی نئی ایجادات نے اس کا امکان ثابت کر دیا کہ مریخ اور چاند تک کا سفر ممکن ہے۔ اور اب تو صرف ممکن ہی نہیں بلکہ روسی راکٹ نے چاند میں پہنچ کر اس میں جھنڈا نصب کر کے اس کا بالفعل وقوع ثابت بھی کر دیا ہے، اور اب مشتری اور چاند تک سفر کی تیاریوں کے لیے سیٹیں ریزرو کرائی جا رہی ہیں بلکہ امریکہ اب تک دو دفعہ چاند پر آدمی اُتار بھی چکا ہے، تو پرویز صاحب

کو معراج جسمانی کے رد کرنے کی اور دلیل سوجھی مقصد صرف ایک ہے۔ کہ معراج جسمانی ثابت نہیں ہے۔ البتہ تعبیریں الگ الگ ہیں کیونکہ ؎

دل فریبوں نے کہی جس سے نئی بات کہی ایک سے دن کہا اور دوسرے سے رات کہی

مگر یہ بات تا ہنوز پردۂ راز میں ہے۔ کہ پرویز صاحب نے معراج جسمانی کے انکار پر اتنا اور ایسا زور کیوں دیا ہے، وہ تو خیر سے مطلقاً معجزات ہی کے منکر ہیں۔ چنانچہ وہ خود لکھتے ہیں کہ:۔

"نبی اکرم کو کوئی حسی معجزہ نہیں دیا گیا، اور حضور کا معجزہ صرف قرآن ہی ہے"

(معارف القرآن جلد ۴ ص۷۲۵)

اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ قرآن کریم جناب امام الانبیاء، خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ایک زندہ معجزہ ہے، مگر پرویز صاحب کا یہ کہنا کہ آپ سے کوئی حسی معجزہ ہی صادر نہیں ہوا کس قدر غلط اور باطل ہے۔ اور کس قدر خدا تعالےٰ اور اس کے رسول برحق صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی کھلی تکذیب ہے (العیاذ باللہ) اس سے بڑھ کر انکار و جحود کا اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے تواتر کے ساتھ بے شمار معجزات صادر ہوئے ہیں، شق القمر اور اسراء وغیرہ کا ذکر تو قرآن کریم میں ہے۔ اور بقیہ معجزات کا ذکر کتب احادیث و سیر میں تواتر سے مذکور ہے، مگر پرویز صاحب ان سب کا انکار کرتے ہیں لاحول و لا قوۃ الا باللہ اور لطف یہ ہے کہ وہ بزعم خود اسلام کے صحیح خدوخال کو واضح کرنے والے اور داعی قرآن بھی ہیں۔ فوا اسفاہ۔ ع

مذہب معلوم اہل مذہب معلوم!

پانچواں باب

ہم نے یہاں تک معراج جسمانی پر قرآن وحدیث اور اجماع امت سے مسلمانوں کے دلائل نقل کئے ہیں۔ اب ہم واقعہ معراج پر مرزا صاحب کی کج بحثیوں اور موشگافیوں کو پیش کر کے ان کے جوابات عرض کرتے ہیں۔ بغور ملاحظہ فرمایئے۔

واقعہ معراج پر مرزا صاحب کا پہلا اعتراض!

مرزا صاحب لکھتے ہیں کہ:۔

معراج کی حدیثوں میں سخت تعارض ہے۔ کسی حدیث میں ہے کہ چھت کو کھول کر جبرائیل آئے، اور میرے سینے کو کھولا، پھر ایک سونے کا طشت لایا گیا۔ جس میں حکمت اور ایمان بھرا ہوا تھا۔ سو وہ میرے سینے میں ڈالا گیا۔ پھر میرا ہاتھ پکڑ کر آسمان کی طرف لے جایا گیا۔ مگر اس میں یہ نہیں لکھا۔ کہ وہ طشت طلائی جو عین بیداری میں ملا تھا، کیا ہوا، اور کس کے حوالہ کیا گیا۔ اور کسی حدیث میں آیا ہے۔ کہ میں بیت اللہ کے پاس خواب اور بیداری کے درمیان میں تھا۔ اور تین فرشتے آئے۔ اور ایک جانور بھی لایا گیا۔ اور کسی میں براق کا کوئی ذکر نہیں۔ اور کسی میں ہے کہ میں حطیم میں تھا۔ یا حجر میں لیٹا ہوا تھا اور کسی میں ہے، کہ بعثت کے پہلے یہ واقعہ ہوا۔ اور بغیر براق کے آسمان پر گئے۔ اور آخر میں آنکھ کھل گئی۔ اور بغیر براق کے آسمان پر گئے۔ اور آخر میں آنکھ کھل گئی۔ اور ان پانچ واقعات میں لکھا ہے۔ کہ معراج کے وقت پہلے پانچ نمازیں مقرر ہوئیں اور بعد تخفیف پانچ منظور کرائیں۔ اور ترتیب رویت انبیاء میں بڑا اختلاف ہے (انتہی ملخصاً ازالۂ اوہام ص ۹۳۲)

جواب:۔ مرزا صاحب نے نہایت لطیف پیرایہ میں حدیث سے ٹھٹھا کیا ہے کہ طشت طلائی کیا ہوا؟ خدا جانے یہ کس خیال پر مبنی ہے۔ وہ طشت تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہبہ تھوڑا ہی کیا گیا تھا جس کی تلاش مرزا صاحب کو ہے۔ وہ طشت جہاں سے لایا گیا تھا۔ وہاں پہنچا دیا گیا ہو گا۔

مرزا صاحب کا مرکزی اعتراض یہ ہے۔ کہ چونکہ روایات میں اختلاف ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ اصل واقعہ ہی پیش نہیں آیا۔ لیکن راقم الحروف کہتا ہے۔ کہ اگر مرزا صاحب کے اس قاعدہ کو سامنے رکھا جائے۔ تو اسلام کے اصولی اور بنیادی مسائل کا ثابت ہونا بھی محال ہے مثال کے طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت لیجیے۔ ایک روایت میں آتا ہے، کہ آپ

لہ مرزا صاحب لکھتے ہیں، اور ایک ایسا فرقہ بھی نکلا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنن ماثورہ پر ٹھٹھا مارتا ہے اور ہنسی کرتا ہے۔ اور تمام احادیث کو ردیات کا ذخیرہ سمجھتا ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اتنی بھی عزت نہیں دیتا۔ کہ وہ فہم قرآن میں دوسروں سے بڑھ کر ہیں (چشمۂ معرفت ص۲۱) راقم الحروف کہتا ہے۔ کہ اولاً اس کا مصداق خود مرزا صاحب اور ان کے امتی ہیں۔ اور اس کے بعد دیگر منکرین حدیث مرزا صاحب کا حال تو آپ نے دیکھ ہی لیا۔ اب اُمتیوں کا حال بھی ذرا سُن لیجیے۔ جب مسلمان حضرت مسیح علیہ السلام کے آسمان پر زندہ ہونے کو پیش کرتے ہیں، تو مرزائی کہا کرتے ہیں، کہ وہ وہاں کیا کھاتے اور کیا پیتے ہوں گے؟ وہاں پیشاب اور پاخانہ کہاں پھرتے ہوں گے؟ استنجا کہاں کرتے ہوں گے؟ کون سی نماز پڑھتے ہوں گے۔ اسرائیلی یا محمدی؟ اگر اسرائیلی نماز پڑھتے ہیں تو منسوخ شریعت پر کیسے عمل کرتے ہیں؟ اور اگر محمدی نماز پڑھتے ہیں۔ تو وہ ان کو کس نے بتلائی؟ آنحضرت نے بتلائی تو وہ کب؟ اور اگر حضرت جبرائیل نے بتلائی۔ تو معلوم ہوا کہ عیسیٰؑ پر بھی جدید وحی نازل ہوتی ہے۔ نیز وہ زکوٰۃ کس چیز کی اور کس کو دیتے ہوں گے کس قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہوں گے وغیرہ وغیرہ۔ اس سے بڑھ کر احادیث صحیحہ اور متواترہ سے اور کیا ٹھٹھا اور ہنسی ہو سکتی ہے؟ مرزا صاحب کا اپنا قول نکلنے کی بجائے ہے۔ ع جادو وہ جو سر پر چڑھ کر بولے۔

کی عمر مبارک چالیس ۴۰ سال کی تھی، کہ آپ کو نبوت ملی۔ (بخاری ج ۱ ص ۵۰۲) اور ایک روایت میں ہے کہ چالیس سال چھ مہینے اور آٹھ دن کے بعد ملی (تاریخ الامم الاسلامی محمد خضری ج ۱ ص ۱۰۴) اور بعض روایات میں ایک دن کی زیادتی اور بعض میں دس دن کی اور بعض میں دو مہینے کی اور بعض میں تین سال کی اور کسی میں پانچ سال کی زیادتی مذکور ہے۔ (افادۃ الافہام ج ۲ ص ۲۲۳)

یا مثال کے طور پر آپ کی ہجرت کو لے لیجیے۔ ایک روایت آتی ہے۔ کہ نبوت کے بعد تیرھویں سال ہجرت واقع ہوئی۔ (بخاری ج ۱ ص ۵۵۲ و مسلم ج ۲ ص ۲۶۰) اور دوسری جگہ روایت میں آتا ہے۔ کہ بعثت کے بعد دس سال گذرے تھے، کہ ہجرت ہوئی (بخاری ج ۱ ص ۵۰۲ مسلم ج ۲ ص ۲۶۰ وغیرہ)

یا مثال کے طور پر آپ کی وفات کو لیجیے۔ ایک روایت آتی ہے۔ کہ پینسٹھ سال کی عمر میں آپ کی وفات ہوئی۔ (مسلم ج ۲ ص ۲۶۱ و ترمذی ج ۲ ص ۲۰۶) اور ایک روایت میں تریسٹھ ۶۳ سال کا ذکر ہے (مسلم ج ۲ ص ۲۶۰ و ترمذی ج ۲ ص ۲۰۳) اور ایک روایت آتی ہے، کہ آپ کی ساٹھ سال کی عمر میں وفات ہوئی (موطا امام مالک ص ۳۶۸)

تو کیا ان اختلافات کی وجہ سے یہ کہا جاسکتا ہے، کہ العیاذ باللہ نہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت ہوئی اور نہ ہجرت اور نہ ہی آپ کی وفات ہوئی وعلیٰ ھذا القیاس مرزا صاحب کے اس قاعدہ اور ان جرحی سوالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے نماز روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ اہم مسائل کا اثبات تقریباً محال ہے۔ کیونکہ نماز جیسی اہم عبادت میں بھی بیسیوں اختلافات ہیں۔ تو مرزا صاحب کے اصول سے ثابت ہوا کہ نماز کا حکم بھی اسلام نے کبھی نہیں دیا۔ اگر دیا ہوتا۔ تو اس میں اختلاف نہ ہوتا (عیاذا باللہ) مرزا صاحب نے ایک ایسا قاعدہ اور ایٹم بم ایجاد کیا ہے کہ اسلام کا ایک ایک حکم ختم ہو کر رہ جاتا ہے، کیا خوب ؟ ؎

کاٹنا مقصود ہے جس سے شجر اسلام کا !

قادیاں کے لندنی ہاتھوں میں وہ آری بھی دیکھ

خیر یہ تو احادیث کا اختلاف تھا اگر مرزا صاحب قرآن کریم کی طرف توجہ کرتے۔ تو ایسے اختلاف کی وجہ سے خدا جانے وہ کیا فتویٰ صادر کرتے۔ صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ ہی دیکھ لیجیے، کہیں ارشاد ہوتا ہے، کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف بھیجا گیا۔ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ مُوسٰى بِآيَاتِنَا اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَائِهٖ اور کہیں ارشاد ہوتا ہے، کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو صرف قوم فرعون کی طرف بھیجا وَاِذْ نَادٰى رَبُّكَ مُوْسٰى اَنِ ائْتِ الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ قَوْمَ فِرْعَوْنَ۔ اور کہیں ارشاد ہوتا ہے۔ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو انہی کی قوم کی ہدایت کے لیے بھیجا۔ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِآيَاتِنَا اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ۔ اور کہیں ارشاد ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام دونوں کو بھیجا۔ فَاْتِيٰهُ فَقُوْلَا اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّكَ۔ اور کہیں آتا ہے، کہ صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھیجا۔ وَاِذْ نَادٰى رَبُّكَ مُوْسٰى اَنِ ائْتِ الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ۔ اور کہیں ارشاد ہے۔ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پہلے جادوگروں کو کہا، ڈالو جو ڈالنا ہے۔ وَقَالَ لَهُمْ مُوْسٰى اَلْقُوْا مَا اَنْتُمْ مُلْقُوْنَ۔ اور کہیں آتا ہے۔ کہ جادوگروں نے پہلے یہ تحریک پیش کی تھی۔ قَالُوْا يٰمُوْسٰى اِمَّا اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّا اَنْ نَّكُوْنَ نَحْنُ الْمُلْقِيْنَ۔ اور کہیں آتا ہے کہ پھر ہم نے دوسروں کو ڈبو دیا، ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ۔ اور کہیں آتا ہے کہ ہم نے فرعون اور اس کے لشکر کو پکڑ کر دریا میں پھینک دیا۔ فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ اور اس کی نظیریں اور بھی قرآن کریم میں بکثرت ہیں، تو کیا کسی مسلمان کو اس کی گنجائش ہے۔ کہ وہ قوم فرعون اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ اور قصہ کا ہی انکار کر دے۔ اور دلیل مرزا صاحب کی پیش کرے۔ کہ چونکہ واقعہ میں اختلاف ہے، کہیں کوئی چیز بیان سے چھوٹ گئی ہے۔ اور کہیں دوسری جگہ کوئی اور چیز رہ گئی ہے، مگر حاشا و کلّا کہ کسی مسلمان کے دل پہ اس اختلاف کا کچھ بھی اثر ہو، ادنیٰ تامّل سے یہ بات معلوم ہو سکتی ہے، کہ شارع کو واقعات نگاری اور کہانی بیان

کرنا مقصود نہیں ہوتا۔ کہ جب بیان کی جائے، پوری بیان کی جائے، بلکہ وہاں ہر بیان میں ایک مقصودِ خاص پیشِ نظر ہوتا ہے، پھر متعدد بیانوں سے پورا قصہ بھی معلوم ہو جایا کرتا ہے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ میں متعدد اور متفرق اُمور مربوط اور مرتب کیے جاسکتے ہیں۔ معراج میں بھی ممکن ہے کہ خدا تعالےٰ نے کسی مصلحت سے چھت کھول کر حضرت کے مکان میں فرشتوں کو اتارا ہو۔ اور پھر چھت کو ملا دیا ہو جس سے ظاہر ایک مصلحت یہ بھی ہو۔ کہ اجسام کے خرق و التیام کا پہلے ہی سے حضرت کو مشاہدہ ہو جائے۔ اور شق صدر کے وقت کسی قسم کا تردد نہ ہو۔ اور آسمانوں کے خرق التیام کا استبعاد بھی جاتا رہے، کیا یہ محال ہے کہ فرشتوں نے حضرت کو گھر سے اٹھا کر مسجد میں اس غرض سے لایا ہو۔ کہ معراج کی ابتدار اس متبرک مقام سے ہو اور رات کا وقت ہونے کی وجہ سے حضرت پر غنودگی طاری ہوگئی ہو، اور پھر وقت مقرر پہ آپ کو بیدار کر کے جہاں تک منظور تھا لے جایا گیا ہو۔ اور قبل بعثت کے الفاظ شریکؒ راوی کے علاوہ اور کسی نے پیش نہیں کئے۔ اور جمہور نے ان کی تغلیط کر دی ہے۔ اور اس کے قرائن بھی موجود ہیں۔ کہ قبل ہجرت کے جملہ کو راوی نے غلطی سے قبل بعثت سے تعبیر کر دیا ہے۔ باقی خواب اور بیداری کا واقعہ بھی بڑی آسانی سے طے ہو سکتا ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے جسمانی معراج سے قبل آپ کو بذریعہ خواب سارا واقعہ بتلا دیا ہو۔ جیسے ہجرت سے پہلے خواب میں مقام ہجرت بتلایا گیا۔ کہ وہاں کثرت سے درخت ہوں گے (بخاری ج ۱ ص ۵۵۱) یا جیسے حضرت عائشہ رضؓ کے ساتھ نکاح سے پہلے ہی ان کے ساتھ نکاح کا تعلق بذریعہ خواب بتلایا گیا۔ (بخاری ج ۱ ص ۵۵۱)

اسی طرح یہاں بھی ممکن ہے، اور شیخ ابنِ عربیؒ کی عبارت سے یہ مسئلہ اور بھی واضح ہو جائے گا۔ جو عنقریب بیان ہوگی۔ الغرض مرزا صاحب کا یہ اعتراض بالکل قابلِ التفات نہیں۔ اور

علمی میدان میں اس کی حیثیت پرکاہ کی بھی نہیں ہے۔ ؎

خزاں نہ تھی چمنستانِ دہر میں کوئی!

خود اپنا ضعفِ نظر پردۂ بہار ہوا!

واقعۂ معراج پر مرزا صاحب کا دوسرا اعتراض!

کہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں۔ ما فقدت جسد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کہ میں نے معراج کی رات آنحضرت صلی اللہ وسلّم کے جسم کو مفقود نہیں پایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ معراج جسمانی نہ تھی، بلکہ روحانی تھی۔

جواب:۔ یہ روایت چند وجوہ سے مردود ہے۔

اوّل:۔ اس کی سند کا مرکزی راوی محمد بن اسحاق ہے (دیکھئے تفسیر ابن کثیر ج ۲ صد ۱۴۲ مع المعالم والبدایہ والنہایہ صد ۱۴۳/۳)۔ امام دارقطنیؒ کہتے ہیں۔ اس سے احتجاج صحیح نہیں۔ سلیمان تیمیؒ کہتے تھے۔ کہ وہ کذّاب تھا۔ ہشامؒ بن عروہؓ بھی اس کو کذّاب کہتے تھے۔ یحیٰیؒ بن سعیدؒ فرماتے تھے میں گواہی دیتا ہوں، کہ وہ کذّاب تھا۔ (میزان الاعتدال صد ۲۱/۳) امام مالکؒ فرماتے تھے۔ کہ وہ دجّالوں میں کا ایک دجّال تھا۔ (تہذیب التہذیب ج ۹ صد ۴۱) علّامہ ذہبیؒ اور حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں۔ کہ وہ جب حلال اور حرام میں تنہا روایت پیش کرے تو حجت نہیں (تذکرہ ج ۱ صد ۱۶۳ ودرایہ صد ۱۹۳) علّامہ خطیبؒ لکھتے ہیں، کہ وہ مجہول رواۃ سے باطل روایات نقل کیا کرتا تھا۔ (تاریخ بغدادی صد ۲۲۷)

دوم:۔ اس روایت میں محمد بن اسحاقؒ یوں روایت کرتا ہے حدثنی بعض آل ابی بکرؓ کہ خاندان ابوبکرؓ سے مجھ سے کسی نے روایت بیان کی۔ معلوم نہیں کہ وہ بعض کون اور کیسے تھے؟ ثقہ تھے یا ضعیف؟ متقی تھے یا فاسق۔ تو اس روایت میں مجہول راوی بھی محمد بن اسحاقؒ کے ساتھ مل گئے۔ اور علّامہ خطیبؒ کا ارشاد صحیح ہوا۔ کہ وہ مجہول رُوات سے مجہول روایات نقل کرتا تھا

سوم:۔ حضرت عائشہؓ کی طرف جو ما فقدت وغیرہ کے الفاظ منسوب کئے جاتے ہیں وہ غلط ہیں کیونکہ معراج کے وقت حضرت عائشہ کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم سے عقد نہیں ہوا تھا۔ بلکہ کیا بعید ہے کہ ان کی ولادت بھی نہ ہوئی ہو۔ (شفا قاضی عیاضؒ ص۸۱)

چہارم:۔ اس مذکور حدیث کی محدثین تضعیف کرتے ہیں۔ قاضی عیاضؒ لکھتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح نہیں (شفا ص۸۹) اسی طرح علامہ آلوسیؒ لکھتے ہیں۔ (روح المعانی ج ۱۵ ص۱۰) علاّمہ زرقانیؒ لکھتے ہیں کہ اس حدیث کی سند میں انقطاع ہے، اور راوی مجہول ہے، اور ابن دحیہؒ نے تنویر میں لکھا ہے کہ یہ حدیث موضوع اور من گھڑت ہے: اور امام الشافعیۃ ابو السراج بن سریجؒ کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ کسی نے صحیح حدیث رد کرنے کی غرض سے اسے بنایا۔ (بحوالہ شرح مواہب ج۶ ص۱۶)

پنجم:۔ پہلے بحوالہ مستدرک حضرت عائشہؓ کی حدیث گذر چکی ہے۔ اور بحوالہ مسلم وغیرہ بھی گذر چکی ہے۔ کہ ان کا اکثر دیگر حضرات صحابہ کرامؓ کے ساتھ معراج کی رات رویت خداوندی میں جھگڑا تھا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی تھیں کہ آپ نے خدا تعالیٰ کو آنکھوں سے نہیں دیکھا۔ بلکہ سدرۃ المنتہیٰ کے پاس آپ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو اصلی شکل میں دیکھا تھا۔ تو ان کا ان حضرات صحابہ کرامؓ سے رویت جسمانی اور باطنی کا جھگڑا اسی صورت میں صحیح ہو سکتا ہے جب کہ معراج جسمانی ثابت ہو۔ (شفا قاضی عیاض ص۸۹)

واقعہ معراج پر مرزا صاحب وغیرہ کا تیسرا اعتراض!

کہ حضرت امیر معاویہؓ سے بھی معراج جسمانی کا انکار منقول ہے۔

جواب: حضرت امیرؓ کی طرف بھی اس قول کی نسبت چند وجوہ سے باطل ہے۔ اوّل اس روایت کی سند میں وہی محمد بن اسحاق ہے جس پر جرح ہم پہلے نقل کر چکے ہیں۔ دوم محمد بن اسحاقؒ اس روایت کو یعقوبؒ بن عتبہؒ بن المغیرہ (المتوفی سنہ ۱۲۸ھ) کے طریق سے بیان کرتا ہے۔ اور وہ

حضرت معاویہؓ (المتوفی سنہ ٦٠ھ) سے حالانکہ یعقوب مذکور کو حضرات صحابہ کرامؓ میں سے صرف حضرت سائبؓ بن یزیدؓ (المتوفی سنہ ٩١ھ) کی روایت نصیب ہوئی ہے۔ (تقریب ۳۸۱ و تہذیب ج ۱۱ ص ۳۹۲)۔ تو یہ حدیث محدثین کی اصطلاح میں منقطع ہے، نصِّ قرآنی۔ احادیث متواترہ اور اجماعِ امت کے مقابلہ میں اس کا کیا اعتبار ہے؟ اور ایسی صورت میں وہ کیونکر حجت ہو سکتی ہے؟ سوم:۔ حضرت امیر معاویہؓ سے جو الفاظ منقول ہیں، وہ یہ ہیں۔ قال کانت رؤیا من اللہ صادقة (ابن کثیر ج ۵ ص ۲۳ والبدایہ والنہایہ ج ۳ ص ۱۱۱) معراج اللہ کی طرف سے سچا دکھاوا تھا۔ لفظ رؤیا سے یہ کیونکر سمجھ لیا گیا۔ کہ یہ روحانی معاملہ تھا؟ رؤیا کا معنیٰ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں، تو یہ الفاظ جسمانی معراج کے انکار پر نص قطعی کبھی نہیں۔ بلکہ اگر غور اور انصاف سے کام لیا جائے، تو معراج جسمانی کے مؤید ہیں۔

واقعہ معراج پر مرزا صاحب وغیرہ کا چوتھا اعتراض

کہ امام حسن بصریؒ معراجِ جسمانی کے منکر تھے۔

جواب:۔ ہم بحوالہ شفا قاضی عیاضؒ جمہور کے مذہب میں حسن بصریؒ کا مذہب بھی نقل کر چکے ہیں۔ کہ وہ بھی معراجِ جسمانی کے قائل تھے، اور اصولِ حدیث کا مسلّمہ قاعدہ ہے کہ مثبت کو نافی پر ترجیح ہوتی ہے۔

واقعہ معراج پر پانچواں اعتراض!

کہ شیخ محی الدینؒ ابن عربیؒ معراج جسمانی کے منکر تھے۔

جواب:۔ شیخ صاحبؒ معراج جسمانی کے قائل تھے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں ان الاسراء کان بجسمہ صلی اللہ علیہ وسلم (فتوحات مکیہ باب ۳۶۴) کہ معراجِ جسمِ عنصری کے ساتھ ہوئی، بلکہ وہ تو لکھتے ہیں کہ معراج چونتیس بار واقع ہوئی، واحدة بجسدہ والباقی بروحہ (افادة الافہام ج ۲ ص ۲۲۴ بحوالہ روح البیان) ایک دفعہ جسم سے اور باقی

روح کے ساتھ یعنی خواب میں اور امام عبدالوہاب شعرانیؒ فرماتے ہیں کہ شیخ ابن عربیؒ نے فتوحات مکیہ کے باب ۳۱۴ میں تصریح فرمائی ہے کہ معراج چونتیس مرتبہ واقع ہوئی۔ قمرة واحدة بجسمه والباقی رؤیا رآھا (الیواقیت والجواھر ج ۲ ص۲۵ طبع اول ۱۳۵۱ھ)

پس ایک دفعہ تو جسم مبارک کے ساتھ ہوئی اور باقی بذریعہ خواب۔

واقعہ معراج پر چھٹا اعتراض

کہ بعض ازواج مطہراتؓ وکثیر من الصحابہؓ کہتے تھے۔ کہ آپ کا جسم بستر سے غائب نہیں ہوا تھا (حمامۃ البشریٰ ص۳۴)

جواب :۔ حضرات ازواج مطہراتؓ میں سے حضرت عائشہؓ کے قول کی حقیقت آپ پڑھ چکے ہیں۔ باقی کسی ایک صحابی سے بھی بسندِ صحیح معراجِ جسمانی کے انکار پر ایک بھی روایت پیش نہیں کی جاسکتی تمام مرزائی طبع آزمائی کر دیکھیں یہ میدان بڑا وسیع ہے فھل من مبارز۔

اور حضرت عائشہؓ کے علاوہ باقرار مرزا صاحب تقریباً تمام حضرات صحابہؓ کا مذہب اور عقیدہ اور صدر اول کا اجماع پہلے گذر چکا ہے۔ اور حضرت عائشہؓ کی روایت کا حال بھی آپ کو معلوم ہو چکا ہے۔ لیکن پھر بھی مرزا صاحب کثیر من الصحابہؓ بول کر ستم ظریفی کا ثبوت پیش کر رہے ہیں، کیونکہ وہ تو سب ان کے خلاف ہیں، اور معراج جسمانی کے قائل ہیں۔ ع

وہ تھا صیاد نادانی سے جس کو باغباں سمجھے

واقعہ معراج پر ساتواں اعتراض!

کہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ معراجِ جسمانی کے منکر تھے۔

جواب :۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں :۔ واسری بہ الی المسجد الاقصیٰ

ثم الی سدرة المنتھیٰ والیٰ ماشاء اللہ وکل ذالک بجسدہ صلی اللہ علیہ

وسلم فی الیقظة لکن ذالک فی موطن ھو برزخ بین المثال والشھادة جامع لاحکامھما فظھر علی الجسد احکام الروح و تمثل الروح والمعانی الروحیة اجسادًا وبذالک بان لکل واقعة من تلک الوقائع تعبیرًا۔ (حجة اللہ البالغة طبع مصر ۲؍۲۶)

(ترجمہ) جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد اقصیٰ تک پھر سدرۃ المنتہیٰ تک۔ اور جہاں تک خدا نے چاہا، سیر کرائی۔ یہ سب کچھ جسم کے ساتھ بیداری میں تھا، لیکن یہ ایک ایسے مقام میں تھا، جو مثال اور شہادت کے درمیان برزخ ہے، اور ہر دو عالم مذکورہ کے احکام کا جامع ہوتا ہے، پس جسم پر روح کے آثار ظاہر ہوئے۔ اور روح اور معانی نے جسمیت قبول کر کے تمثل اختیار کیا۔ اسی لیے ان واقعات میں سے ہر واقعہ کی ایک حقیقت ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت بیداری میں معراج جسمانی کا صاف طور پر اقرار و اثبات کر کے آگے اپنے رنگ میں تین اور چیزیں حل فرمائی ہیں۔

ا۔ کہ بھلائی اور برائی کا منبع روح ہے۔ جسم خاکی اس کے تابع ہے جس کی روحانیت اعلیٰ درجہ کی ہو۔ اس کے جسم پر روح کے آثار ظاہر ہوتے ہیں۔ اور ملاء اعلیٰ کے ساتھ اس کو خاص نسبت ہوتی ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کسی کی روحانیت اعلیٰ نہیں ہو سکتی اور ارواح کا عالم بالا کی طرف جانا عقل اور نقل سے ثابت ہے۔ گویا آپ کا خاکی بدن مبارک روح کے مقابلہ میں مغلوب تھا۔ اور اس جسم پر بھی روح کے آثار طاری تھے لہٰذا سراپا روحانیت کا جسم مبارک کے ساتھ آسمانوں پر جانا کیوں صحیح نہیں ہے؟ حضرت شاہ صاحبؒ کی عبارت میں فظھر علی الجسد احکام الروح کا یہی مطلب ہے۔ چنانچہ علامہ الطیبیؒ (المتوفی ۷۴۳ھ) بھی ارواح کے کمال پر بحث کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں کہ،

والرابع التی حصل لھا کمال   چوتھی قسم ان ارواح کی ہے جن کو قوت علمی اور عملی

القوتين وهذه غاية الارواح البشرية وهي الانبياء والصديقين فلما ازداد قوة ارواحهم ازداد ارتفاع ابدانهم عن الارض ولهذا لمّا كان الانبياء صلوات الله عليهم قويت لهم هذه الارواح عرج بهم الى السماء واكملهم قوة نبينا صلوات الله وسلامه عليه فعرج به الى قاب قوسين او ادنیٰ (بلفظه طیبی شرح مشکوٰة ج ۴ ص ۳۸۶ قلمی)

دونوں میں کمال حاصل ہو اور یہ بشری ارواح کا انتہائی کمال ہے اور یہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اور صدیقین کی ارواح ہیں۔ کیونکہ جب ان کی قوت روحانی غالب آگئی تو ان کے ابدان واجسام میں زمین سے مرتفع ہونے کی طاقت بھی بڑھ گئی اور یہی وجہ ہے کہ جب حضرات انبیاء کرام علیہم السّلام کی روحانیت غالب آگئی تو ان کو آسمان کی طرف اٹھا لیا گیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قوتِ روحانی جب ان سب سے زیادہ تھی تو آپ کو قاب قوسین یا اس سے بھی قریب تر مقام تک اٹھایا گیا۔

علامہ طیبیؒ اور حضرت شاہ صاحبؒ کے علاوہ بھی متعدد علماء کرام نے اس مسئلہ پر مبسوط بحث کی ہے۔ مگر ہمارا مقصد اپنے دعوے کو مبرہن کرنا ہے۔ تمام دلائل کا استیعاب ہمارا مقصود نہیں ہے۔

۲۔ اس مسئلہ میں سلفؒ کا اختلاف ہے بعض یہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جو ملاقات دیگر حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے ہوئی اور نیز آپ نے اُن کو جو نماز پڑھائی تو یہ ملاقات وغیرہ ان کے ابدان اور اجسام مبارکہ کے ساتھ ہوئی تھی۔ اور بعض کہتے ہیں کہ انکی ارواح طیبہ نے ان کی صورتیں اور شکلیں اختیار کر لی تھیں اور ارواح پر اجسام کی جملہ کیفیات اور حالات طاری ہو گئے تھے۔

چنانچہ علامہ آلوسی الحنفیؒ (المتوفی ۱۲۷۰ھ) لکھتے ہیں کہ:-

وهل صلّى بارواحهم او بها الاجساد فيه خلاف۔ (روح المعانی ج۱۵ ص۱۲)

کیا آپ نے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی ارواح کو نماز پڑھائی تھی یا ان کے ارواح مع الاجساد کو اسمیں اختلاف ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (المتوفی ۸۵۲ھ) علامہ بدرالدین عینیؒ (المتوفی ۸۵۵ھ) اور خطیب قسطلانیؒ (المتوفی ۹۲۳ھ) اس پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ واللفظ للاوّل)

بان ارواحهم تشكلت بصور اجسادهم او حضرت اجسادهم لملاقاة النبى صلى الله عليه وسلم تلك الليلة تشريفا وتكريما ويؤيده حديث عبدالرحمٰن بن هاشم عن انس ففيه وبعث له آدم فمن دونه من الانبياء فامّهم۔ (فتح الباری ج۷ ص۱۶۲ وعمدۃ القاری ج۸ ص۸۶ وارشاد الساری ج۶ ص۱۶۷)

ان کی ارواح ان کے جسموں کی صورت میں متشکل ہو گئی تھیں یا ان کے اجساد کو اس رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شرف ملاقات اور تکریم کے لیے کھڑا کر دیا گیا تھا۔ اور اس قول کی تائید حضرت عبدالرحمٰنؒ بن ہاشمؒ کی روایت سے ہوتی ہے جو حضرت انسؓ سے (مرفوعاً) مروی ہے جس میں یہ بھی مذکور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے لیے حضرت آدم علیہ السلام اور ان کے علاوہ باقی تمام انبیاء کرام علیہم السلام کو (اجساد کے ساتھ) کھڑا کیا گیا تھا جن کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے امامت کروائی۔

اکابرین علماء دیوبند میں سے حضرت مولانا شیخ الاسلام شبیر احمد صاحب عثمانیؒ (المتوفی ۱۳۶۹ھ) نے حافظ صاحبؒ کی مذکورہ عبارت نقل کر کے اس سے استدلال و احتجاج کیا ہے۔ (ملاحظہ ہو فتح الملہم ج۱ ص۳۲۵)

اور علامہ محمد طاہر الحنفیؒ (المتوفی ۹۸۶) لکھتے ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معراج پر تشریف لے گئے، تو

فاذا بادم علیہ السلام لقاء الانبیاء اما للارواح فی غیر عیسیٰ علیہ السلام اولقاء الاجساد

(مجمع البحار ص۲۱ ج۱)

حضرت آدم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام سے آپ کی یہ ملاقات یا تو ان کی ارواح سے ہوئی بجز حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے (کیونکہ وہ تو بنفس نفیس زندہ ہیں) اور یا ان کے اجسام و اجساد کے ساتھ ملاقات ہوئی۔

اور حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ (المتوفی ۱۰۵۲ھ) حدیث معراج میں لفظ فَاَمَمْتُهُمْ کی شرح میں لکھتے ہیں کہ:-

"پس امامت کردم من انبیاء را و ایں امامت بہ انبیاء در بیت المقدس بود۔ بعد ازاں ایشاں را بر آسماں بردند یا ارواح ایشاں را در آسماں متمثل و متشکل ساختند مگر عیسیٰ و ادریس علیہما السلام کہ بر آسماں اند۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (اشعۃ اللمعات ج۴ ص۲۹۵)

سو میں نے حضرات انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کو امامت کرائی، یہ امامت بیت المقدس میں (ان کے اجساد کے ساتھ) تھی بعد اس کے ان کو آسمانوں پر لے گئے یا ان کی ارواح آسمان میں مثالی طور پر متشکل ہو گئی تھیں، ہاں مگر حضرت عیسیٰ اور حضرت ادریس علیہما السلام آسمان پر (جسم کے ساتھ) موجود تھے۔

اور مولانا نواب قطب الدین خانؒ (المتوفی ۱۲۷۹ھ) لکھتے ہیں کہ "پس احتمال رکھتا ہے کہ ان کی ارواح نے (نماز) پڑھی اور یہ بھی احتمال ہے کہ بدنوں نے ساتھ ارواحوں کے

پڑھی کیونکہ اوپر گذر ہی چکا ہے کہ انبیاء علیہم السلام زندہ ہیں اپنے پروردگار کے پاس اور اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے زمین پر یہ کہ کھاوے گا ان کے گوشتوں کو پھر بدن ان کے مانند ارواح کے لطیف ہیں نہ کثیف پس نہیں ہے مانع ان کے ظہور کے لیے عالم ملک و ملکوت میں بوجہ کمال قدرت ذوالجلال سے۔ اھ (مظاہر حق ج ۴ ص ۴۹۳) اور یہ نماز حسب تصریح علامہ سراج الدین الحنفیؒ (المتوفی فی عدود ۵۷۰ھ) نفل نماز تھی (فتاویٰ سراجیہ ص ۲۲) اور اس میں تمام انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام حاضر ہوئے تھے۔ جیسا کہ حافظ ابن کثیرؒ (المتوفی ۷۷۴ھ) رقمطراز ہیں کہ:۔

وَلِهٰذَا جَمَعُوْا لَهٗ هُنَاكَ كُلَّهُمْ فَأَمَّهُمْ اھ (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۲)	سب کے سب حضرات انبیاء کرام علیہم السلام وہاں آپ کے لیے جمع ہوئے تھے اور آپ نے ان کو امامت کرائی تھی۔

اور بظاہر حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ بھی اسی کے قائل معلوم ہوتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی معراج کی رات حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ارواح سے ملاقات ہوئی تھی جو ان کے اجساد اور ابدان طیبہ کی صورت میں متمثل اور متشکل ہو کر آپ کے سامنے پیش ہوئی تھیں اور ان کے اس ارشاد و تمثل الروح۔ اجساداً کا یہی مطلب ہے مگر جمہور علماء کا مختار قول یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ملاقات اور تکلم و گفتگو وغیرہ ان کے ابدان اور اجساد طیبہ سے ہوئی تھی۔ چنانچہ تیسیر القاری شرح البخاری میں ہے۔

و کر پوشیدہ نماند کہ دیدن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انبیاء صلوات اللہ وسلامہ علیہم و تکلم آنہا۔ چنانچہ درحدیث مذکور توضیح	یعنی مخفی نہ رہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو دیکھنا اور ان سے کلام کرنا جیسا کہ مذکورہ حدیث میں صراحتاً

پیوستہ ناظر دراں ہست کہ باشخاص وعباد دیدہ وقول مختار وجمہور ہمیں است کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام بعد از موت زندہ اند بحیات دنیوی ۔ (تیسیر القاری شرح صحیح بخاری ج ۳ ص ۲۶۲ باب ذکر ادریس وقولہ تعالےٰ ۔ وَرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا ۔

سے بیان ہوا ہے ، اس چیز کو بتا رہا ہے کہ آپ نے اُن کے اشخاص اور اجسام کو دیکھا اور ان سے کلام کیا ہے اور مختار قول جو جمہور نے اختیار کیا ہے یہی ہے اس لیے کہ حضرت انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام وفات کے بعد دنیوی حیات کے ساتھ زندہ ہیں (یعنی ادراک وشعور اور سماع صلوٰۃ وسلام وغیرہ ہیں ان کی زندگی دنیوی زندگی کی طرح ہے نہ یہ کہ تمام احکام میں دنیوی زندگی کی مانند ہے دیکھئے روح المعانی ج ۲۲ ص ۳۶ وشفاء السقام ص ۱۵۴ وغیرہ اور مزید تفصیل کے لیے تسکین الصدور ملاحظہ کریں ۔

۳ ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیت المعمور کے پاس جو دودھ شراب اور شہد وغیرہ پیش کیا گیا تھا ، تو کیا ان سے بھی یہی ظاہری اور حسی چیزیں مراد تھیں ؟ یا اُن کی کوئی تعبیر تھی ؟ حدیث شریف میں آتا ہے ۔ کہ جب آپ نے دودھ لیا تو ارشاد ہوا کہ آپ نے فطرت کو قبول کیا ہے اور آپ فطرت پر ہیں ۔ (متفق علیہ مشکوٰۃ شریف ج ۲ ص ۵۲۷) اگر بالفرض آپ شراب لے لیتے تو آپ کی امت خواہشات نفسانی میں گرفتار ہو کر گمراہ ہو جاتی ۔ (کما اخرجہ ابن کثیر فی تفسیرہ ج ۳ ص ۱۰) گویا دودھ اور شہد وغیرہ سے فطرت اور شراب سے خواہشات مراد تھی ۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے اس قول کا کہ وتمثل المعانی الروحیۃ اجسادا یہی مطلب ہے ۔ واللہ اعلم بالصواب وھو اعلم بمراد عبادہٖ ۔

بعض لوگوں کو یہ مغالطہ ہے کہ حافظ ابن القیم بھی معراج جسمانی کے منکر تھے، مگر یہ ان لوگوں کا صریح بہتان اور خالص افتراء ہے۔

کیونکہ حافظ ابن القیمؒ (المتوفی ۷۵۱ھ) لکھتے ہیں کہ:۔

ثم اسری برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بجسدہ علی الصحیح من المسجد الحرام الی بیت المقدس راکباً علی البراق صحبۃ جبرائیل علیہما الصلوٰۃ والسلام فنزل ھناک وصلی بالانبیاء اماماً الی ان قال ثم عرج بہ تلک اللیلۃ من بیت المقدس الی السماء الدنیا اھ (زاد المعاد ج ۲ ص ۴۷)	پھر صحیح قول کے مطابق جسم مبارک کے ساتھ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد حرام سے بیت المقدس تک براق پر سوار کر کے حضرت جبرائیل علیہ السلام کی معیت میں لے جایا گیا۔ آپ وہاں اُترے اور امام بن کر حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو نماز پڑھائی (پھر فرمایا کہ) پھر آپ کو اُسی ہی رات بیت المقدس سے آسمان دنیا تک (اور پھر وہاں سے ساتویں آسمان تک اور جہاں تک اللہ تعالیٰ کو منظور تھا) لے جایا گیا۔

حافظ ابن قیمؒ کی اتنی واضح اور صریح عبارت کے ہوتے ہوئے بھی اگر کوئی مغالطہ میں مبتلا ہو تو اس کا کیا علاج ہو سکتا ہے؟

الغرض نہ تو حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ معراج جسمانی کے منکر ہیں اور نہ حافظ ابن القیمؒ اور نہ کوئی اور عالم بلکہ معراج جسمانی کے انکار پر کسی متدین اور خدا ترس عالم کا کوئی معتبر اور صحیح قول پیش ہی نہیں کیا جا سکتا۔ اور معراج جسمانی کے خلاف کوئی قوی شبہ بھی موجود نہیں ہے چہ جائیکہ اس پر کوئی عقلی یا نقلی دلیل موجود ہو۔

ہے وہ حضرات جن کے نزدیک معجزات وکرامات ہی محض داستانیں ہیں یا وہ نری وہم پرستی ہے، یا وہ ترقی سے مانع ہیں یا مذہب ہی سے ان کا انکار ہے یا تمام عقائد حقہ سے وہ انکار کرتے ہیں۔ تو ان لوگوں کے شکوک وشبہات کا ازالہ دوسرے جہان ہی میں ہو سکتا ہے۔ اور ایسے لوگ بھی اس دنیا میں موجود ہیں، اور صرف موجود ہی نہیں بلکہ ان کو لوگ ادیب مفکر اور خادم اسلام بھی تصور کرتے ہیں۔

چنانچہ نیاز صاحب فتحپوری لکھتے ہیں کہ:۔

"سب سے بڑی واہمہ پرستی جو سرچشمہ ہے۔ اور بہت سے اوہام کا معجزہ کا اعتقاد ہے" اھ (من ویزداں حصہ اوّل ص۹۱)

نیز لکھتے ہیں کہ:۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ معتقدات مذہبی سے ہم کو کیا نقصان پہنچتا ہے۔ اگر ہم دوزخ و جنت، حور وقصور، جن وملک، معجزہ وخرق عادات وغیرہ پر عقیدہ رکھتے ہیں۔ تو اس میں حرج ہی کیا ہے، جب کہ ان عقائد کا مقصود بھی اصلاح عقائد ہے، بظاہر یہ بات قرین عقل معلوم ہوتی ہے۔ لیکن فی الحقیقت ان عقائد کے نقصانات حد درجہ مہلک ہیں۔ یہ معتقدات چونکہ یکسر روایات پر مبنی ہیں۔ اور عقل ودرایت کا ان سے کوئی تعلق نہیں۔ اس لیے ان کو صحیح سمجھ لینے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ ہمارا ذہن حقائق کی جستجو سے منحرف ہو جاتا ہے اھ

(من ویزداں ص۲۹۳، ۲۹۴ حصہ اوّل)

نیز تحریر کرتے ہیں کہ:۔

خدا کا وجود فی نفسہٖ نہ خلاف عقل ہے نہ مضرت رساں، لیکن ہمارا نفع وضرر اس کے تصور کی نوعیت سے ضرور متعلق ہو جاتا ہے اگر ہم خدا کو ایک ایسی قوت مان لیں جو کائنات

کے نظامِ تخلیق وارتقاء میں کارفرما ہے۔ تو اس سے کسی کو انکار نہیں ہوسکتا۔ لیکن اگر ہم اس کا تصور ایک دنیاوی بادشاہ کی طرح کریں کہ وہ کسی سے خوش ہوکر نہال کر دیتا ہے ۔ اور کسی پر غضبناک ہوکر تباہ۔ تو بے شک یہ تصور غلط مضرت رساں اور مانع ترقی ہوگا۔ ہرچند خدا کے اس جدید تصور سے انبیاء ورسل، صحف مقدسہ حیات بعد الموت، دوزخ وجنت ملائکہ وشیاطین، حشر ونشر، عذاب وثواب ختم ہوجائیں گے، یا ان کی کوئی عقلی توجیہ و تاویل کرنا ہوگی۔ لیکن اس کا کوئی علاج نہیں، ہم کو ان مروّجہ عقائد اور خدا دونوں میں سے ایک کو لینا ہے۔ اور غالبًا یہ زیادہ آسان ہوگا۔ کہ خدا کے مقابلہ میں ان معتقدات کو پس پشت ڈال دیا جائے۔ اور بقائے مذہب کی ہلکی سی ہلکی جو صورت ہوسکتی ہے۔ اس پر قناعت کی جائے۔ میں اس سے قبل بھی بارہا لکھ چکا ہوں۔ اور اب پھر اس کا اعادہ کرتا ہوں۔ کہ جب تک مذہب کا وجود باقی ہے۔ دنیا کا امن وسکون خطرہ میں ہے۔ (صلہ ۴۹۴، ۴۹۵ اسلام من یزداں حصہ اول)

اور معجزات حضرت مسیح علیہ السلام کا تذکرہ کرتے ہوئے یوں لکھتے ہیں کہ، معجزے کبھی ظاہر ہی نہیں ہوئے، بلکہ یہ سب داستانیں ہیں جو صدیوں بعد گھڑی گئیں ۔ (ایضاً صـ ۵۰)

اور ان معجزات کو تسلیم کرنے والوں پر یوں برستے ہیں کہ:۔

اِس جماعت (علماء اسلام) نے ہمیشہ عقل وعلم سے دشمنی کی ذہنِ انسانی کو اس نے ہمیشہ کند رکھنا چاہا۔ اور اس نے علم ویقین کا ماخذ ہمیشہ غیر فطری کرامات اور معجزات کو قرار دیا۔ (ایضاً صـ ۲۴۰)

جن لوگوں کے افکار اور نظریات یہ ہوں، یہ لوگ اگر معراج جسمانی، شق القمر، حیات حضرۃ مسیح علیہ السلام اور اُن کے نزول وغیرہ کے منکر ہوں تو یہ بات ان لوگوں سے کوئی انوکھی اور نرالی نہیں ہے۔ ان کو تو خیر سے ایسے اسلام کی ضرورت ہے جس کی صورت ہلکی سی ہلکی ہو جس پر وہ قناعت کرسکیں، اور ان کے باطل نظریہ کے پیش نظر اس مہذب ومتمدن دنیا کو کبھی چین،

سُکھ اور آرام نصیب ہی نہیں ہو سکتا، جب تک کہ مذہب کا وجود باقی ہے۔ کیونکہ مذہب ہر باہوش اور عقلمند انسان کو اس امر کی دعوت دیتا ہے۔ کہ اس کا کوئی خالق و مالک اور کوئی رب و آقا ہے، جس نے اس پر کچھ فرائض عائد کئے ہیں، تاکہ ان کی وساطت سے وہ اپنے پروردگار سے تعلق استوار رکھ سکے۔ اور حیوانوں کی طرح غیر مقید اور من مانی زندگی نہ گذار دے۔ بلکہ اپنے شرف انسانی کو ملحوظ رکھ کر وہ اپنے پروردگار حقیقی کے سامنے قولی اور فعلی، بدنی اور مالی ہر قسم کی عبادت سے حق عبدیت ادا کرے۔ اور یہ پابندی کی زندگی یا پابندی کی عبادات اور عقائد ان ملحدین کو گوارا نہیں ہیں۔ اس لیے اسلام سے بالکل خارج ہو جانا بھی وہ مصلحتاً پسند نہیں کرتے۔ ان کو تو صرف نام کا اسلام درکار ہے نہ کہ کام کا۔ کیا خوب کہا گیا ہے۔ ع

صبر خودداری دلیری حق پرستی اب کہاں — رکھ لیا اچھا سا اک نام اور مسلماں ہو گئے

یہ لوگ اس کے عادی ہو چکے ہیں کہ وہ ہر بات کو اپنی نارسا عقل کی زنجیروں میں جکڑنا چاہتے ہیں۔ اور معجزات و کرامات کے تصور سے کچھ ایسے خائف اور ہراساں ہیں، اور وہ ان سے کچھ ایسے بدکتے ہیں، جس طرح شیر کی چنگاڑ اور آواز سے گدھے بدکتے اور بھاگتے ہیں۔ باری تعالےٰ کا ارشاد حق ہے، كَأَنَّهُمْ حُمُرٌ مُسْتَنْفِرَةٌ فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ ط ان نام نہاد دانشوروں سے یہ پوچھنا چاہیئے کہ کیا تمہاری عقل و خرد جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے حضرات صحابہ کرامؓ اور تابعین عظامؒ اور ائمۂ دین سے بڑھ کر ہے، جن میں حضرت امام غزالیؒ، امام رازیؒ اور ابنِ رُشدؒ جیسے فلسفی اور منطقی بھی گذرے ہیں، ان پر ان امور کا استحالہ ثابت نہ ہو سکا اور انہوں نے بایں ہمہ وسعت معلومات اور اعلیٰ درجہ کے فلسفی ہونے کے تمام معجزات و کرامات کا وجود ثابت کیا اور عقلی اور نقلی دلائل سے ان کو مبرہن اور مدلل کیا۔

اور آج ان لوگوں پر ان کا محال ہونا روشن اور واضح ہو گیا ہے؟ کیسے تسلیم اور باور کر لیا جائے کہ وہ حضرات غلط کار تھے جو بلا قیل و قال ان کو تسلیم کرتے ہیں اور آج اس دورِ الحاد و زندقہ میں ان کا انکار کرنے والے حق پر ہیں حالانکہ موجودہ سائنس کی ترقی نے پہلے سے کہیں بڑھ کر شہرت حاصل کی ہے۔ اور جو امور پہلے سمجھ سے بالاتر تھے۔ وہ اب مزید روشن ہوتے چلے جا رہے ہیں اور لوگوں کے شکوک و شبہات مبدل بہ یقین ہوتے نظر آرہے ہیں۔ باقی نہ ماننے والے پرویز صاحب ہوں یا نیاز صاحب، محمد علی لاہوری ہوں یا غلام احمد صاحب قادیانی، سر سید صاحب علی گڑھی ہوں یا عبداللہ صاحب چکڑالوی غرضیکہ کوئی بھی ہو، ان کی بات کی خدا تعالیٰ اور اس کے رسولِ برحق صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے قطعی اقوال اور صریح نصوص کے مقابلہ میں کیا وقعت اور حیثیت ہے؟ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّاٰتِ اَعْمَالِنَا۔

پھر یہ بات بھی قابلِ غور ہے۔ کہ محلِ ایمان عقل نہیں دل ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وَقَلْبُہٗ مُطْمَئِنٌّ بِالْاِیْمَانِ۔ اور یقین کی تعریف یہ کی گئی ہے۔ کہ لا یزول بزوال المشکک کہ شک میں مبتلا کرنے والے شک میں مبتلا کرنا چاہیں مگر مومن کے دل میں ادنیٰ برابر شک اور شبہ بھی پیدا نہ ہو وہ اس کا متلاشی اور متمنی نہ ہو کہ دنیائے یورپ اس بارے میں کیا کہتی اور کیا بتلاتی ہے؟ اور کیا سائنس اس کی تائید کرتی ہے یا تردید؟ مومن کو ان تمام امور سے بے خطر اور بے نیاز ہو کر اپنے ربّ ذو المنن کے بتلائے ہوئے عقائد پر قائم اور دائم رہنا چاہیئے اور ہر وقت اسی کی فکر میں ہو کہ کہیں کوئی ڈاکو میرے متاعِ ایمانی پر ڈاکہ نہ ڈال لے۔ وہ اس راستہ میں ہر قدم پر اور ہر منزل میں چوکنا ہو کر رہے اور اس سلسلہ میں پیش ہونے والی تمام مصیبتوں کو خندہ پیشانی سے قبول کرے اور وہی سبق دُہرائے جو بعض

اسلاف کی پاک زبانوں سے اس موقع پر جاری رہا ہے کہ ؎

فَلَسْتُ اُبَالِیْ حِیْنَ اُقْتَلُ مُسْلِمًا

عَلٰی اَیِّ شِقٍّ کَانَ فِی اللّٰہِ مَصْرَعِیْ

پھر کیا ہی مبارک اور سعادت مند ہیں۔ وہ حضرات جو اس فانی دنیا کی مکاریوں اور چالبازیوں سے الگ رہ کر اپنی آخرت کی ابدی اور پائیدار زندگی بنانے اور اپنے آقائے حقیقی کو راضی کرنے کی تڑپ اور جذبہ اپنے دل میں محسوس کرتے ہیں۔ اور درحقیقت زندگی ہی وہی زندگی ہے، یہ ناپائیدار اور فانی زندگی نرا دھوکہ ہے۔ اِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَۃَ لَھِیَ الْحَیَوَان۔ باقی رہی یہ زندگی تو اس کی حقیقت اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ۔ ع

دو کروٹیں ہیں عالمِ غفلت میں خواب کی

دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں تمام حق اور صحیح عقیدوں پر قائم اور دائم رکھے

آمین ثم آمین۔ وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ مُحَمَّدٍ خَاتَمِ الْاَنْبِیَاءِ وَصَاحِبِ الْمِعْرَاجِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَاَزْوَاجِہٖ وَجَمِیْعِ اُمَّتِہٖ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ۔ اٰمِیْنَ یَا رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ۔

احقر ابوالزاہد

محمد سرفراز خطیب جامع گکھڑ

و مدرس مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ

مورخہ ۲۱ جمادی الاخریٰ ۱۳۷۹ھ

۲۲ دسمبر ۱۹۵۹ء

ضمیمہ

مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ لکھتے ہیں:۔

مذہب راجح یہی ہے کہ معراج و اسراء کا واقعہ حالت بیداری میں بجسدہٖ الشریف واقع ہوا، ہاں اگر اس سے پہلے یا بعد خواب میں بھی اس طرح کے واقعات دکھلائے گئے ہوں تو انکار کرنے کی کوئی ضرورت نہیں کہا جاتا ہے کہ ایک شب میں لمبی مسافت زمین و آسمان کی کیسے طے ہوگی یا کرۂ نار زمہریر میں سے کیسے گذرے ہوں گے یا اہل یورپ کے خیال کے موافق جب آسمانوں کا وجود ہی نہیں تو ایک آسمان سے دوسرے اور دوسرے سے تیسرے پر اُس شان سے تشریف لیجانا جو روایات میں مذکور ہے۔ کیسے قابل تسلیم ہوگا لیکن آجتک کوئی دلیل اس کی پیش نہیں کی گئی کہ آسمان واقع میں کوئی شے موجود نہیں اگر ان لوگوں کا یہ دعوے ابھی تسلیم کر لیا جائے کہ یہ نیلگونی چیز جو ہم کو نظر آتی ہے فی الحقیقت آسمان نہیں ہے تب بھی اس کا کیا ثبوت ہے کہ اُس نیلگونی رنگ کے اوپر آسمانوں کا وجود نہیں ہوسکتا رہا ایک رات میں اتنا طویل سفر طے کرنا تو تمام حکماء تسلیم کرتے ہیں کہ سرعت حرکت کے لیے کوئی حد نہیں ہے۔ اب سے سو برس پیشتر کسی کو یہ بھی یقین نہیں آسکتا تھا کہ تین سو میل فی گھنٹہ چلنے والی موٹر تیار ہو جائے گی یا دس ہزار فٹ کی بلندی تک ہم ہوائی جہاز کے ذریعہ پرواز کرسکیں گے۔ (اور اب آواز سے تیز رفتار جہاز، راکٹ، میزائل اور امریکہ کے اپالو اور روس کے لونا وغیرہ کی تیز رفتاری کس سے مخفی ہے؟ صفدر) اسٹیم اور قوت کہربائیہ

کے کرشمے کس نے دیکھے تھے کرہ نار تو آجکل ایک لفظ بے معنی ہے ہاں اوپر جاکر ہوا کی سخت برودت وغیرہ کا مقابلہ کرنے والے آلات طیاروں میں لگا دیے گئے ہیں جو اڑانے والوں کی زمہریر سے حفاظت کرتے ہیں یہ تو مخلوق کی بنائی ہوئی مشینوں کا حال تھا خالق کی بلا واسطہ پیدا کی ہوئی مشینوں کو دیکھتے ہیں تو عقل دنگ ہو جاتی ہے ازمین یا سورج چوبیس گھنٹے میں کتنی مسافت طے کرتے ہیں، روشنی کی شعاع ایک منٹ میں کہاں سے کہاں پہنچتی ہے، بادل کی بجلی مشرق میں چمکتی اور مغرب میں گرتی ہے اور اس سرعت سیر وسفر میں پہاڑ بھی سامنے آجائے تو پرکاہ کی برابر حقیقت نہیں سمجھتی جس خدا نے یہ چیزیں پیدا کیں کیا وہ قادر مطلق اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے براق میں ایسی برق رفتاری کی کلیں اور حفاظت و آسائش کے سامان نہ رکھ سکتا تھا جن سے حضور بڑی راحت و تکریم کے ساتھ چشم زدن میں ایک مقام سے دوسرے مقام منتقل ہو سکیں شاید اسی لیے واقعہ اسراء کا بیان لفظ سُبْحَانَ الَّذِیْ سے شروع فرمایا تاکہ جو لوگ کوتاہ نظری اور تنگ خیالی سے حق تعالیٰ کی لامحدود قدرت کو اپنے وہم و تخمین کی چار دیواری میں محصور کرنا چاہتے ہیں کچھ اپنی گستاخیوں اور عقلی ترکتازیوں پر شرمائیں ؎

نہ ہر جائے مرکب تواں تاختن ۔۔۔ کہ جا ہا سپر باید انداختن

(انتہی بلفظہٖ فوائد عثمانیہ ص۳۶۵)

مکتبہ صفدریہ نزد گھنٹہ گھر گوجرانوالہ کی مطبوعات

خزائن السنن
تقریر ترمذی طبع سوم

احسن الکلام
مسئلہ فاتحہ خلف الامام کی مدلل بحث طبع ششم

تسکین الصدور
مسئلہ حیات النبی ﷺ پر مدلل بحث طبع ہفتم

الکلام المفید
مسئلہ تقلید پر مدلل بحث

ازالۃ الریب
مسئلہ علم الغیب پر مدلل بحث طبع ششم

راہ سنت
رد بدعات پر لاجواب کتاب

آنکھوں کی ٹھنڈک
مسئلہ حاضر و ناظر پر مدلل بحث

احسان الباری
بخاری شریف کی ابتدائی ابحاث

طائفہ منصورہ
نجات پانے والے گروہ کی علامات

ارشاد الشیعہ
شیعہ نظریات کا مدلل جواب

درود شریف
پڑھنے کا شرعی طریقہ

عبارات اکابر
اکابر علماء دیوبند کی عبارات پر اعتراضات کے جوابات

تبلیغ اسلام
ضروریات دین پر مختصر بحث

گلدستہ توحید
مسئلہ توحید کی وضاحت

دل کا سرور
مسئلہ مختار کل کی مدلل بحث

راہ ہدایت
کرامات و معجزات کے بارہ میں صحیح عقیدہ کی وضاحت

بانی دارالعلوم دیوبند
مولانا محمد قاسم نانوتوی کے حالات زندگی اور ان پر اعتراضات کے جوابات

ینابیع
غیر مقلد عالم مولانا غلام رسول کے رسالہ تراویح کا اردو ترجمہ

چراغ کی روشنی
سراج النبی ﷺ کے بارہ میں قادیانی وغیرہ کے اعتراضات کے جوابات

مسئلہ قربانی
قربانی کی فضیلت اور ایام قربانی پر مدلل بحث

عیسائیت کا پس منظر
عیسائیوں کے عقائد کا رد

مقالہ ختم نبوت
قرآن و سنت کی روشنی میں

المسلک المنصور

اتمام البرہان
رد توضیح البیان

حلیۃ المسلمین
داڑھی کا مسئلہ

توضیح المرام
فی نزول المسیح علیہ السلام

آئینہ محمدی
سیرت پر مختصر رسالہ

شوق حدیث
حجیت حدیث پر مدلل بحث

ملا علی قاری
اور مسئلہ علم غیب و حاضر و ناظر

تنقید متین
بر تفسیر نعیم الدین

باب جنت
بجواب راہ جنت

الکلام الحاوی
سادات کیلئے زکوٰۃ وغیرہ لینے کی مدلل بحث

مودودی صاحب کا غلط فتویٰ

تفریح الخواطر
بجواب تنویر الخواطر

چہل مسئلہ
حضرات بریلویہ

عمدۃ الاثاث
تین طلاقوں کا مسئلہ

الشہاب المبین
بجواب الشہاب الثاقب

اظہار العیب
بجواب اثبات علم الغیب

سماع موتیٰ

چالیس دعائیں

مقام ابی حنیفہؒ

صرف ایک اسلام

حکم الذکر بالجہر

شوق جہاد

اطیب الکلام
ملخص احسن الکلام

انکار حدیث کے نتائج
منکرین حدیث کا رد

مرزائی کا جنازہ اور مسلمان

مولانا ارشاد الحق اثری کا
مجذوبانہ واویلا

اخفاء الذکر
ذکر آہستہ کرنا چاہیے

مطبوعات عمر اکادمی

بخاری شریف
غیر مقلدین کی نظر میں

خزائن السنن
جلد دوم کتاب البیوع

جنت کے نظارے
علامہ ابن القیم کی کتاب حادی الارواح کا اردو ترجمہ

حمیدیہ
لمناظرہ کی کتاب رشیدیہ کا اردو ترجمہ

علامہ کوثری کی کتاب کا اردو ترجمہ
امام ابو حنیفہؒ کا عادلانہ دفاع

غیر مقلدین کے متضاد فتوے

احناف کہ رسول اللہ ﷺ سے اختلاف؟ غیر مقلدین کی بدعتوں اور جہالتوں کی دردناک داستان
انکشاف حقیقت

راہ سنت پر اعتراضات کا مدلل جواب
ایضاح سنت
بجواب
مصباح سنت

شیعہ کی جانب سے اہل سنت کے وضو پر اعتراضات کے جوابات
وضو کا مسنون طریقہ

تین طلاقوں کے مسئلہ پر مقالہ کا
جواب مقالہ

الدروس الواضحہ فی شرح الکافیہ

مروجہ قضائے عمری
بدعت ہے